احسن البیان

فی تفسیر القرآن

سید فضل الرحمٰن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

نام کتاب	:	احسن البیان فی تفسیر القرآن
حصہ پنجم	:	تفسیر سورۂ ابراہیم تا سورۂ انبیا
تعداد	:	گیارہ سو
اشاعت اوّل	:	شعبان ۱۴۲۱ھ / نومبر ۲۰۰۰ء
صفحات	:	۳۶۳
کمپوزنگ	:	عبدالماجد پراچہ (پراچہ پرنٹ)
ناشر	:	زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی

ملنے کے پتے

۱۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، اے۔۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔۱۸، پوسٹ کوڈ: ۷۴۶۰۰، فون: ۶۶۸۴۷۹۰،

۲۔ فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار کراچی،

۳۔ زوار اسٹیشنرز، دوکان نمبر ۳۴، اردو بازار کراچی،

۴۔ مکتبہ قاسمیہ، نیوٹاؤن کراچی،

۵۔ اسلامی کتب خانہ، نیوٹاؤن کراچی

۶۔ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور،

۷۔ مکتبہ صدیقیہ، نورمحل روڈ بہاولپور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ ابراہیم

وجہ تسمیہ: اس سورت کے آخر میں خانہ کعبہ اور بیت اللہ کے متعلق حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دعاؤں کا ذکر ہے جو خانہ کعبہ کی عظمت اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لئے یہ سورت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے موسوم ہوئی۔

تعارف: اس میں سات رکوع، باون آیتیں، ۸۳۱ کلمات اور ۳۴۳۴ حروف ہیں۔

یہ سورت مکی ہے۔ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں بھی توحید و رسالت اور قیامت کے مضامین کا بیان ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم کی عظمت و حکمت کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلائے ہیں۔

رکوع ۲: بنی اسرائیل کی تذکیر، گزشتہ امتوں کے احوال اور پیغام حق کے بارے میں منکرین کا شک و شبہ کرنا اور انبیاء علیہم السلام کا ان کو جواب دینا۔

رکوع ۳: معجزہ کا جواب ہو جانے کے بعد کافروں کا انبیاء علیہم السلام کو ملک سے نکال دینے کی دھمکی دینا۔ کافروں کے زمین سے مٹانے اور انبیاء علیہم السلام کا ان کے لئے عذاب کی دعا کرنا ذکر ہوا ہے۔ پھر کافروں کے اعمال کی مثال، اللہ کی قدرت کاملہ اور قیامت کے روز کافروں کی باہم گفتگو کا بیان ہے۔

رکوع ۴: شیطان سے کافروں کا مخاصمہ اور کلمہ ایمان اور کلمہ کفر کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

رکوع ۵: کفار و مشرکین کی مذمت اور مومنین و صالحین کی مدح کا بیان ہے۔ آخر میں منعم حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی اہم صفات مذکور ہیں۔

رکوع ۶: اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مختلف دعائیں مذکور ہیں جو انہوں نے مکہ شہر، اپنی اولاد اور اپنے والدین کے لئے کیں۔

رکوع ۷: شروع میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال سے غافل نہیں۔ ان کا دنیا میں پھلنا پھولنا اللہ کے ہاں مقبولیت کی بنا پر نہیں بلکہ مہلت دینے کی وجہ سے ہے۔ آخر میں قیامت کے روز زمین و آسمان کو تبدیل ہونا بیان کیا گیا ہے۔

بعثتِ رسول کا مقصد

۱۔ الٓرٰ ۝

یہ حروف مقطعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ان کی مراد معلوم نہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہی قول راجح اور مختار ہے۔

۲-۳۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَي الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝

(یہ قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کی اجازت سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں (اور) غالب و قابل تعریف (خدا کے) راستے

کی طرف (لے جائیں)۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ
ہی کا ہے، اور افسوس ہے کافروں پر سخت عذاب سے۔ (یہ وہ لوگ ہیں)
جو آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور (لوگوں
کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور دینِ حق میں کجی تلاش کرتے
ہیں۔ یہی لوگ بڑی دور کی گمراہی میں (پڑے ہوئے) ہیں۔

تشریح: گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی عظمت سے کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی بتایا کہ اس عظیم قرآن کو آپ پر نازل کرنے اور آپ کو نبی بنا کر دنیا میں بھیجنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ اس کتاب کے ذریعے اپنے رب کے حکم سے لوگوں کو کفر و شرک اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت و ایمان کی روشنی میں لے آئیں جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ یہی سیدھا مستقیم ہے۔ اسی کی ذات غالب اور حمد و ستائش کی مستحق ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی تعریف کے لائق نہیں۔

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ کافروں کے لئے بڑی خرابی اور بربادی ہے اور بڑا سخت عذاب ہے کیونکہ وہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی تمام تر جد و جہد صرف حصولِ دنیا کے لئے ہے۔ انہوں نے آخرت کو بالکل بھلا رکھا ہے۔ یہی نہیں کہ خود ہی آخرت سے بالکل غافل ہیں بلکہ یہ دوسروں کو بھی اللہ کا راستہ اختیار کرنے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی اور عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ ایسی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جو حق سے بہت دور ہے۔ بظاہر اب ان کے ہدایت پانے کی کوئی امید نہیں۔ (مظہری ۲۵۶/۵، مواہب الرحمٰن ۲۸۴، ۲۸۵/۱۳)

تمام انبیاء کا اپنی قوم کی زبان بولنا

۴ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ
اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو (بھی) ان کی قوم ہی کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ وہ ان کو (ہمارے احکام آسانی سے) بیان کر سکیں۔ پھر (بھی) اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ زبردست، حکمت والا ہے۔

تشریح: کفار آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن چونکہ آپ کی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید یہ کلام آپ نے خود ہی بنا لیا ہو۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ہر پیغمبر کو اسی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ پیغمبر اللہ کے احکام کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کر سکے اور اس کی قوم کے لوگ ان احکام کو آسانی کے ساتھ سمجھ لیں۔ اگر اللہ تعالیٰ جن یا فرشتے کو یا کسی ایسی زبان بولنے والے انسان کو جس کی زبان اس کی قوم سے مختلف ہوتی، پیغمبر بنا کر بھیج دیتا تو لوگوں کے لئے اس کی بات کو سمجھنا دشوار ہو جاتا۔ یہ اللہ کا بڑا احسان و انعام ہے کہ اس نے ہر قوم میں انہی میں سے کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

پھر جب لوگوں پر اللہ کی حجت قائم ہو جاتی ہے تو وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور ایمان کی توفیق نہیں دیتا اور جس کو چاہتا ہے ایمان کی توفیق دے دیتا ہے اور اس کے دل میں حق کا یقین پیدا کر دیتا ہے۔ وہ بڑا غالب اور زبردست ہے کہ کوئی اس کی مشیت کو روک نہیں سکتا۔ وہ جس کو ہدایت کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ وہ بڑی حکمت والا ہے اور اپنی حکمت و مصلحت کے تحت ہدایت یاب یا گمراہ کرتا ہے۔ (مظہری ۲۵۵/۵، معارف القرآن ۲۳۰،۲۲۹/۵)

حضرت موسیٰؑ کے معجزے

۵۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ

صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝

اور البتہ ہم نے (حضرت) موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر (اس لئے) بھیجا تھا کہ وہ اپنی قوم کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لے جائے اور ان کو اللہ کے دنوں کی یاد دلائے۔ بیشک اس میں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

ایام اللہ۔ اللہ کے دن۔ اس سے مراد وہ ایام ہیں جن میں بنی اسرائیل پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ نے ان کو ان مصائب سے نجات دی اور ان پر اپنی رحمت فرمائی۔

تشریح: اے نبی ﷺ! جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آپ پر اپنی کتاب نازل کی ہے۔ بالکل اسی طرح ہم نے حضرت موسیٰ کو بہت سی نشانیاں (معجزے) دے کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا ان کو بھی یہی حکم تھا کہ وہ لوگوں کو سچائیوں کی دعوت دیں اور ان کو کفر و شرک اور جہالت و گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر علم و ہدایت اور ایمان کی روشنی میں لے آئیں اور ان کو وہ ایام یاد دلائیں جن میں وقتاً فوقتاً بنی اسرائیل پر مصائب و شدائد کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ نے ان کو ان مصائب سے نجات دی اور ان پر اپنے انعامات فرمائے اور طرح طرح کے معجزات ظاہر کر کے ان کے دشمنوں کو ذلیل کیا۔ جیسے سمندر کے اندر ان کے لئے خشک راستے بنانا، ان پر ابر کا سایہ کرنا، من و سلویٰ اتارنا، عصائے موسیٰ سے فرعون کا مغلوب ہونا، جادوگروں کا ایمان لانا، طوفان، ٹڈی، مینڈکوں اور خون وغیرہ کے عذابوں سے فرعونیوں کا مقہور ہونا وغیرہ وغیرہ۔ بیشک ان احوال و واقعات میں ہر صبر و شکر کرنے والے بندے کے لئے جو تنگی اور مصیبت میں ایمان و توحید پر اسی طرح ثابت رہے جیسے بنی اسرائیل اپنی اولاد کے قتل اور رزق میں تنگی اور دوسرے طرح طرح کے مصائب پر صابر و ثابت رہے بڑی عبرت و نصیحت ہے۔

(مظہری ۲۵۵،۲۵۴/ ۵، مواہب الرحمٰن ۲۸۹، ۲۹۰/ ۱۳)

امام احمد اور مسلم نے حضرت صہیب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا بھی عجیب معاملہ ہے۔ بیشک مومن کا ہر کام اس کے لئے خیر ہی خیر ہے

تشریح: یہاں حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے سابقہ دور کی یاد دہانی کرائی ہے کہ تم ایسے مجبور و بے بس تھے کہ فرعون تمہیں سخت تکلیفیں دیتا تھا، تمہارے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور تمہاری لڑکیوں کو اپنی اور اپنی قوم کی خدمت کے لئے زندہ رکھتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری دعا کی برکت سے فرعونیوں سے نجات دی جو تم پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمنوں کو تمہارے سامنے ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا اور تمہیں فرعونیوں کے ملک و مال کا مالک بنا دیا۔ تم پر یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام تھا یا یہ مطلب ہے کہ اس فرعونی ایذا رسانی میں اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل کی بڑی آزمائش تھی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں معنی مراد ہوں واللہ اعلم۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں آگاہ کیا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہاں شکر کا مطلب اطاعت ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم نے ناشکری کی تو پھر بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے۔ میں دنیا میں تمہیں اپنی نعمتوں سے محروم کر دوں گا اور آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا کروں گا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم سب اور روئے زمین کی تمام مخلوقات بھی اللہ کی ناشکری کرنے لگے تو خوب سمجھ لو کہ وہ بندوں کی شکر گزاری سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔ اسے کسی کے شکر کی ذرہ برابر ضرورت نہیں۔ وہی حمد کا مستحق اور محمود ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد میں مشغول ہے۔

(ابن کثیر ۵۲۳،۵۲۳/۲۔ روح المعانی ۱۸۹، ۱۹۱/۱۳)

گزشتہ امتوں کے احوال

۹۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۗ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۗ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۗ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ○

(اے کفار مکہ) کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) قوم نوح اور عاد و ثمود اور وہ جو ان کے بعد ہوئے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان کے رسول ان کے پاس دلائل (معجزات) لے کر آئے سو انہوں نے (حیرت سے) اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دے لئے اور کہنے لگے کہ جو کچھ تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے بیشک ہم اس کے منکر ہیں اور جس امر (دین) کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم تو اس کے بارے میں بہت بڑے شبہ میں ہیں جو ہمیں تردد میں ڈالے ہوئے ہے۔

تشریح: جو بے شمار قومیں پہلے گزر چکیں ان کے تفصیلی احوال اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ چند قومیں جو اہل عرب کے ہاں زیادہ مشہور تھیں مثلاً قوم نوح، قوم عاد و ثمود وغیرہ۔ اللہ نے ان کے نام لے کر اہل عرب کو متنبہ فرمایا کہ ان اقوام کا جو کچھ حشر ہوا کیا تمہیں اس کی خبر نہیں ملی۔ تعجب ہے، اتنی قومیں پہلے تباہ ہو چکی ہیں اور تم نے اب تک ان کے حال سے عبرت حاصل نہیں کی حالانکہ تم نے ان بستیوں کے نشان بار بار دیکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کا عبرتناک حال اس طرح بیان کیا ہے کہ جب ان کے رسول اپنی رسالت کے کھلے ثبوت لے کر ان کے پاس آئے جس سے راہِ حق خوب واضح اور روشن ہو گئی اور باطل راہ بھی خوب صاف اور واضح ہو گئی تو ان بدبختوں نے اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں ڈال کر ان کو چپ رہنے کے لئے کہا یا یہ مطلب ہے کہ ان قوموں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دے لئے یعنی انگشت بدنداں ہو گئے کہ یہ پیغمبر کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جس کو تم اپنے گمان کے مطابق پیغام خداوندی کہہ رہے ہو ہم اسے نہیں مانتے اور جس راہ کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اس کے بارے میں ہمیں قوی شک و شبہ ہے۔ جس نے ہمیں تردد میں ڈالا ہوا ہے اس لئے ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

(عثمانی ۷۰۱/۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۴۳/۴)

رسولوں کا جواب

۱۰۔۱۲۔ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○

ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا (تمہیں) اللہ (کے بارے) میں شک ہے جو آسمان اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ تمہیں بلا رہا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دے اور تمہیں ایک وقت مقرر تک ڈھیل دے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم بھی تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو۔ تم ہمیں ان چیزوں کی عبادت سے روک دینا چاہتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے۔ سو تم ہمارے پاس کوئی کھلا معجزہ لاؤ۔ ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ بے شک ہم تمہارے جیسے ہی آدمی ہیں۔ لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (نبوت دے کر) احسان کرتا ہے اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ہم کوئی معجزہ تمہارے پاس لے آئیں اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور ہم اللہ پر بھروسہ کیوں نہ کریں۔ حالانکہ اسی نے ہمیں (فلاح

جہاں تک تمہاری خواہش کے مطابق معجزات پیش کرنے کا تعلق ہے تو یہ ہمارے اختیار اور قدرت میں نہیں کہ اللہ کی مشیت کے بغیر ہم اپنی مرضی سے تمہارے سامنے کوئی معجزہ پیش کر سکیں۔ اس کا مدار تو اللہ کی مشیت اور ارادے پر ہے۔ وہی انبیاء کو ایسے معجزات عطا فرماتا ہے جن سے ان کی نبوت کا ثبوت ہو جائے اور کافروں کے مقابلے میں مومنوں کو تو ہر معاملے میں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ہم تو خاص طور پر اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس نے تمام راہوں میں سے بہترین راہ ہمیں دکھائی۔ اب تم ہمیں کتنی ہی تکلیفیں پہنچاؤ ہمارے توکل میں فرق نہیں آ سکتا۔ (مظہری ۱۸، ۱۹/ ۵، روح المعانی ۱۹۵، ۱۹۶/ ۱۳)

انبیا کو کفار کی دھمکیاں

۱۳، ۱۴۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہماری ملت (مذہب) میں لوٹ آؤ۔ پھر ان کے رب نے (تسلی کے لئے) ان (رسولوں) کی طرف وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے اور ان (کی ہلاکت) کے بعد ہم تمہیں زمین پر آباد کر دیں گے۔ یہ (وعدہ انعام) اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور جس نے میرے عذاب سے خوف کھایا۔

تشریح: جب کافر عاجز ہو گئے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ انبیا علیہم السلام کو دھمکانے اور وطن سے نکالنے کا خوف دلانے لگے۔ حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہما السلام کی قوموں نے بھی اپنے نبیوں اور مومنوں سے یہ کہا تھا کہ تم ہماری ملت میں واپس آ جاؤ ورنہ ہم

تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ مشرکین مکہ نے بھی آنحضرت ﷺ کے لئے ایسا ہی منصوبہ بنایا تھا کہ آپ کو قید کر لو یا قتل کر دو یا ملک سے باہر نکال دو۔ لیکن اللہ کی تدبیر کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو امن و سلامتی کے ساتھ مکہ سے نکال کر مدینے لے گیا اور اہل مدینہ کو آپ کا مددگار بنا دیا۔ وہ آپ کے جھنڈے تلے کافروں کے ساتھ لڑتے یہاں تک کہ آپ نے مکہ بھی فتح کر لیا۔ اس طرح دین کے دشمنوں کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ ان کی آرزوئیں پامال ہو گئیں۔ جوق در جوق لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگا اور جماعتوں کی جماعتیں دین میں داخل ہونے لگیں۔ بالآخر اللہ کا کلمہ بلند و بالا ہوا اور دین اسلام روئے زمین کے تمام دینوں پر چھا گیا۔

کفار کی دھمکیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا علیہم السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہی لوگ ہلاک و برباد ہوں گے اور ان کی ہلاکت کے بعد تم ہی زمین کے مالک ہو گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ۝ (سورۃ مجادلہ، آیت ۲۱)

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے۔ بیشک اللہ ہی قوت و غلبے والا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ وعدے ان لوگوں کے لئے ہیں جو قیامت کے روز حساب کتاب کے لئے میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں اور میرے عذاب سے خوف کھاتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ۝

(سورۃ النازعات، آیت ۳۷ ۔ ۴۱)

پس جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف کھایا اور اپنے

نفس کو خواہشات سے روکا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

(روح المعانی ۱۹۹، ۲۰۰/ ۱۳، ابن کثیر ۵۲۵، ۵۲۶/ ۲)

انبیاء کی دعاء

۱۵تا۱۷۔ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ○ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ○ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ○

اور پیغمبروں نے (اللہ سے) فیصلہ (فتح) طلب کیا اور ہر ایک سرکش اور عناد رکھنے والا غارت ہوا۔ اس کے آگے دوزخ ہے اور اس کو (دوزخ میں) پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا اور اس کو گلے سے نہ اتار سکے گا اور ہر طرف سے اس پر موت (کی اذیت) آئے گی اور وہ کسی طرح مرے گا نہیں (کہ اس اذیت سے نجات پائے) اور اس کو سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔

خَابَ : وہ ناکام ہوا۔ وہ نامراد ہوا۔ خَيْبَةٌ سے ماضی۔

عَنِيْدٍ : عناد رکھنے والا۔ مخالف۔ عُنُوْدٌ سے صفت مشبہ۔

صَدِيْدٍ : وہ پانی جو دوزخیوں کے خون اور کھالوں سے بہے گا اور اس میں پیپ اور خون ملا ہوا ہوگا۔ کچ لہو۔

يَتَجَرَّعُهٗ : وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیتا ہے۔ وہ اس کو آہستہ آہستہ پیتا ہے۔ تَجَرُّعٌ سے مضارع۔

يَكَادُ : وہ نزدیک ہے۔ وہ قریب ہے۔ امید ہے۔ كَوْدٌ سے مضارع۔

يُسِيْغُهٗ : وہ اس کو آسانی سے نگلے گا۔ اِسَاغَةٌ سے مضارع۔

کافروں کے اعمال کی مثال

۱۸۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ○

جن لوگوں نے اللہ کا انکار کیا ان کی مثال اس راکھ کی مانند ہے جس پر آندھی کے دن تیز ہوا چلے (اور اڑا لے جائے) ان کو (دنیا کی) کمائی میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ بھٹک کر (سیدھی راہ سے) دور جا پڑنا یہی ہے۔

رَمَادٍ ۔ راکھ۔ خاکستر۔ جمع اَرْمِدَۃٌ۔

عَاصِفٍ : آندھی۔ تیز و تند ہوا۔ عَصْفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اکثر کافر اچھی بات اور رواج کے مطابق کچھ نیک کام کر کے اپنے آپ کو اہلِ توحید سے افضل سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ جس نے خالق سے کفر کیا اس کے اعمال اس کے نفس کے پسندیدہ ہیں۔ وہ اجر و ثواب کے لائق نہیں۔ اجر و ثواب تو انہیں اعمال کا دیا جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ جل و علا نے پسند فرمایا ہو۔ کافروں کے اعمال چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو اس راکھ سے تشبیہ دی جس کو تیز ہوا اڑا لے جائے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا، قیامت کے روز ان کے نیک اعمال کی مثال جو انہوں نے کفر کی حالت میں کئے ہوں گے۔ اس راکھ کی مانند ہو گی جس کو تیز آندھی نے اڑا کر ادھر ادھر منتشر کر دیا ہو۔ قیامت کے روز ان کے کفر کی تیز آندھی ان کے تمام اچھے اعمال کو اڑا کر لے جائے گی اور ان کے کسی نیک عمل کا کہیں نام و نشان نہیں ملے گا۔ جس طرح کوئی شخص اس پراگندہ راکھ کو دوبارہ جمع نہیں کر سکتا اسی طرح قیامت کے روز یہ کافر بھی اپنے اعمال کو جمع کرنے پر قادر نہ ہوں گے۔ سب اعمال راکھ کی طرح اڑ چکے ہوں گے۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ (ابن کثیر ۲/۲۲۲)

قادرِ مطلق

۱۹، ۲۰۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بالکل ٹھیک ٹھیک پیدا کیا۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے (فنا کر دے) اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق لے آئے۔ (پیدا کر دے) اور یہ اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں۔

تشریح: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بہترین تدبیر اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ آسمان کی اونچائی اور وسعت کو دیکھو۔ پھر اس میں ٹھہرے ہوئے اور چلتے پھرتے ستاروں میں غور کرو۔ یہ زمین اور اس پر قائم پہاڑ، جنگل، درخت اور حیوان یہ سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ جس ذات نے ان سب کو پیدا کیا ہے وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تمام بنی آدم کو فنا کر کے تمہاری جگہ زمین پر دوسری مخلوق لے آئے، جو تمہاری طرح مشرک و نافرمان نہ ہو بلکہ مطیع و فرماں بردار ہو۔ یہ بات اس پر ذرا مشکل نہیں۔ وہ ایسا نہیں کہ ایک چیز پر تو قادر ہو اور دوسری چیز اس کی قدرت سے خارج ہو۔ جب وہ ایسا قادر مطلق ہے تو اس کے لئے قیامت قائم کرنا اور اس دن تمہیں دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

پس جو ایسا قادر مطلق ہو وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اس کے ہر حکم پر عمل کیا جائے، اس کی ناراضگی سے بچا جائے اور اسی سے ثواب کی امید رکھی جائے۔ (ابن کثیر ۵۳۸، ۵۳۹/۲، مظہری ۲۶۳/۵)

قیامت کے دن کافروں کی باہم گفتگو

۲۱۔ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ○

اور (قیامت کے روز) سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اس وقت ضعیف لوگ متکبر لوگوں سے کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے۔ سو کیا تم اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو۔ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں کوئی راستہ دکھاتا تو البتہ ہم تمہیں بھی بتا دیتے۔ اب ہمارے حق میں برابر ہے کہ خواہ ہم بے قراری کریں یا صبر کریں، ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

بَرَزُوْا: وہ سب نکلے۔ بَرُوْزٌ سے ماضی۔

اَجَزِعْنَا: ہم پریشان ہوئے۔ ہم مضطرب ہوئے۔ جَزَعٌ سے ماضی۔

مَحِيْصٍ: پناہ گاہ۔ بھاگنے کی جگہ۔ حَيْصٌ سے اسم ظرف مکان۔

تشریح: قیامت کے روز جب سب لوگوں کو قبروں سے نکال کر حساب و کتاب کے لئے اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو کمزور اور کم درجے کے کافر ان لوگوں سے کہیں گے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے اور لوگوں کو پیغمبروں کی اتباع سے روکتے تھے کہ دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے، تمہارے ہی کہنے سے ہم نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی اور ان کی بات نہیں مانی تھی تو کیا اب تم ہمارے لئے اللہ کے عذاب میں کچھ کمی کرا سکتے ہو اور اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارے کچھ کام آ سکتے ہو۔ وہ کفر کے سردار جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ایمان کی توفیق دیتا تو ہم تمہیں بھی سیدھے راستے پر لے چلتے۔ ہم تو خود گمراہ تھے۔ اس لئے ہم نے تمہیں بھی گمراہی کی طرف بلایا، مگر تم کیوں آنکھیں بند کر کے ہمارے کہنے پر چلتے رہے۔ اب ہمارے لئے

کلمۂ ایمان کی مثال

۲۴، ۲۵ - اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ○ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ (توحید و ایمان) کی کیسی مثال بیان کی ہے۔ گویا کہ وہ ایک پاکیزہ درخت ہے، جس کی جڑ مستحکم اور اس کی شاخ آسمان میں ہے۔ وہ (کلمہ طیبہ) اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے (ایسی) مثالیں اس لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

اَصْلُهَا: اس کی جڑ۔ جمع اصول۔

فَرْعُهَا: اس کی شاخ۔ اس کا بالائی حصہ۔ اس کا نطع۔ جمع فروع۔

حِيْنٍ: وقت۔ زمانہ۔ مدت۔

تشریح: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ توحید و ایمان اور کلمہ کفر و شرک کی کیسی عمدہ، عجیب اور بامعنی مثالیں بیان کی ہیں۔ کلمہ توحید یعنی ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے، جس کی جڑ زمین میں خوب مضبوطی سے جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہو رہی ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہاں شجر طیبہ سے مراد کھجور کا درخت ہے جو اپنے ثمر، منافع کی وجہ سے طیب الاشجار ہے۔ اسی طرح کلمہ توحید و ایمان کی جڑ مومن کے قلب میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہے۔ مومن کا قلب بمنزلہ زمین کے ہے اور توحید کے اعتقاد کا اس میں راسخ ہونا کلمہ ایمان کی جڑ ہے۔ اور اعمال صالحہ اس شجرہ طیبہ کی شاخیں ہیں جو آسمان قبولیت تک پہنچ رہی ہیں۔

یہ پاکیزہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا رہتا ہے۔ اس کا پھل کبھی منقطع نہیں ہوتا اسی طرح مومن کا عمل قبول ہوتا ہے اور اس کی برکتیں ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہیں اور اس کا اجر و ثواب کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ایسی عام مثالیں لوگوں کے فائدے کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ ہر درجہ کا آدمی معمولی غور و فکر سے ان کو باآسانی سمجھ لے اور ان سے نصیحت حاصل کرے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۳/ ۳۱۵،۳۱۳)

کلمۂ کفر کی مثال

۲۶،۲۷۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۝

اور ناپاک کلمہ (کفر و شرک) کی مثال ایک ناپاک درخت کی سی ہے جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے۔ اس کو ذرا بھی قرار (ثبات) نہیں۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں قول ثابت (پکی بات) پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

تشریح: کلمہ خبیثہ یعنی کفر کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نہایت خراب، غیر مفید اور ناکارہ درخت ہو اور اس کی جڑ زمین کے اندر مضبوطی سے پیوست نہ ہو اور نہ اس کے پتے ہوں بلکہ وہ ایسا کمزور ہو کہ اس کو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اور زمین کے اندر اس کا جماؤ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جس درخت کی اصل (جڑ) ہی نہ ہونے کے برابر ہو اس کی شاخ کا کیا ذکر۔

پھر فرمایا کہ مومن دنیا کی زندگی سے لے کر حشر تک کلمہ توحید و ایمان کے ذریعہ مضبوط و ثابت قدم رہیں گے۔ دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں، کتنا ہی سخت امتحان

ہو یا قبر میں منکر نکیر سے سوال و جواب ہوں، ہر موقع پر یہی کلمہ توحید و ایمان ان کی استقامت کا ذریعہ بنے گا۔ جہاں تک کفار و مشرکین کا معاملہ ہے تو وہ قیامت تک بھٹکتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی کو ایمان کی توفیق دیتا ہے اور کسی کو ایمان کی توفیق سے محروم رکھتا ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۳۰۲-۳۰۳ / ۱۳، عثمانی ۳/۱۱)

کفار و مشرکین کی مذمت

۲۸-۳۰۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر (جہنم) میں پہنچا دیا جو دوزخ ہے، جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے بہکائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں چند روز مزے اڑا لو، بالآخر تمہیں دوزخ ہی کی طرف جانا ہے۔

اَحَلُّوْا : انہوں نے اتارا۔ اِحْلَالٌ سے ماضی۔

اَلْبَوَارِ : تباہی۔ ہلاکت۔ مصدر ہے۔

تشریح: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کے انعام کو ناشکری سے بدل دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس آیت سے مشرکین مکہ مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جس نے ان کو ایمان و توحید کی دعوت دی اور کفر و شرک سے منع کیا مگر ان ظالموں نے ایمان کی نعمت کے

بدلے کفر و شرک کو اختیار کیا جس کے نتیجے میں خود بھی تباہ و برباد ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔ وہ خود بھی جہنم میں داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ وہ لوگ بھی جہنم میں جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلتے رہے اور جہنم بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ پھر انہوں نے دوسرے لوگوں کو اللہ کے راستے سے ہٹانے کے لئے اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک ٹھہرایا، حالانکہ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ تو واحد و یکتا اور قادر مطلق ہے۔ اے نبی ﷺ! آپ ان کو بتا دیجئے کہ اب تم چند روز دنیوی فائدہ اٹھالو اور اس کے مزے اڑالو اس کے بعد تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ جہاں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ (مظہری ۲۲۷،۲۲۷/۵، ابن کثیر ۵۳۸، ۵۳۹/۲)

مومنین کی حوصلہ افزائی

۳۱۔ قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ○

(اے نبی ﷺ!) آپ میرے مومن بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں، اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ میرے ان بندوں سے جو ایمان لے آئے ہیں کہہ دیجئے کہ وہ نماز قائم کریں جو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت ہے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر اللہ کی خوشنودی کے لئے اس کی راہ میں خرچ کرتے رہیں تاکہ اس دن ان کو گناہوں اور خطاؤں سے نجات ملے، جس دن نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی جو ان کے قصور کا بدلہ ہو سکے اور نہ کوئی دوستی ہو گی جو کسی کے کام آسکے۔ وہاں تو صرف عدل و انصاف ہوگا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مومنوں کو اپنے بندے کہہ کر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

فرمائے گا کہ اٹھو اور اپنا معاوضہ اس کے نیک اعمال میں سے لے لے۔ اس سے اس کے سارے ہی (نیک) اعمال ختم ہو جائیں گے۔ پھر وہ بیکسو ہو کر کہے گی کہ اے اللہ میری پوری قیمت وصول نہیں ہوئی۔ (ابن کثیر ۵۳۹، ۲/۵۴۰)

مکہ شہر کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی دعا

۳۶،۳۵۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ ۖ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اور جب (حضرت) ابراہیم نے کہا (دعا کی) اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس سے دور رکھ کہ ہم بتوں کی عبادت کرنے لگیں۔ اے میرے رب ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ پس جو میری پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح: یہاں مشرکین مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم جن کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے بیت اللہ کے مجاور و متولی بنے بیٹھے ہو، انہوں نے اس گھر کی بنیاد خالص توحید پر رکھی تھی۔ ان ہی کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے اس شہر مکہ کو آباد کیا اور اس بنجر بیلے ریگستان میں ظاہری و باطنی نعمتوں کے انبار لگا دیئے۔ وہ دنیا سے بھی دعائیں اور وصیتیں کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ان کی اولاد شرک سے اجتناب کرتی رہے۔ اب تم خود سوچو کہ تم نے ان کی وصیتوں کا کہاں تک خیال رکھا اور ان کی دعاؤں کے نتیجہ میں تم پر جو اللہ کے انعامات و احسانات ہوئے ان کا کس قدر شکر ادا کیا۔ (عثمانی ۴۳۶/۱)

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا کی کہ اے میرے رب! اس مکہ شہر کو امن و امان والا شہر بنا دے۔ جو شخص یہاں رہے یا آئے وہ ظاہری و باطنی

آفات سے محفوظ و مامون ہو جائے۔ مجھے اور میری صلبی اولاد کو شرک و بت پرستی سے دور رکھ خواہ وہ شرک جلی ہو یا خفی۔ اے اللہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری اولاد شیطانی چکروں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائے۔ اے میرے پروردگار! بلاشبہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ پس جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے وہ میری ملت میں داخل نہ ہو۔ بلاشبہ تو مغفرت و رحمت پر قادر ہے کہ ان کو توبہ کی توفیق دے دے اور ان کو کفر و شرک سے نکال کر اسلام میں داخل کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان کے صلبی بیٹوں میں سے کسی نے بت کو نہیں پوجا۔ اس دعا میں بنی سے حضرت ابراہیم کی نسل مراد نہیں بلکہ ان کے خاص صلبی فرزند مراد ہیں اور وہ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام ہیں جو اکابر انبیاء میں سے ہیں۔ (مظہری ۲۷۳/۵)

اپنی اولاد کے لئے دعا

۳۷۔ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ○

اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے معزز گھر کے قریب ایک ایسی وادی (میدان) میں آباد کیا ہے جہاں کھیتی (تک) نہیں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لئے تاکہ یہ لوگ نماز قائم کریں۔ سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں کی روزی دے تاکہ وہ شکر کیا کریں۔

اَفْـٕدَةً: دل۔ قلوب۔ واحد فُؤَادٌ۔

تَهْوِیْ: وہ (اوپر سے نیچے) گراتی ہے۔ وہ پھینک دیتی ہے۔ هَوِیٌّ سے مضارع۔

لباس سیاہ گندھک کے ہوں گے جو تیزی سے آگ پکڑ لیتی ہے اور ان کے چہروں پر آگ لپٹی ہوئی ہو گی۔ ظاہری اعضا میں چہرہ ممتاز حیثیت رکھتا ہے اسی لئے خصوصیت کے ساتھ چہروں کا ذکر کیا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہو گا تاکہ اللہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے۔ بیشک اللہ بہت سرعت کے ساتھ حساب لینے والا ہے۔ (مظہری ۲۸۵،۲۸۶/۵۔ ابن کثیر ۵۳۵/۲)

مسند احمد میں حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہوں گے جن کو وہ نہیں چھوڑیں گے۔ ۱۔ حسب پر فخر۔ ۲۔ نسب میں طعنہ زنی۔ ۳۔ ستاروں سے بارش کی طلبی۔ ۴۔ میت پر نوحہ۔ اور اگر نوحہ کرنے والی (عورت) نے اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے روز اسے سیاہ گندھک کا لباس اور کھجلی کا دوپٹہ پہنایا جائے گا۔ مسلم میں بھی یہ حدیث آئی ہے۔ (مسند احمد ۳۴۲/۹)

اللہ کا پیغام

۵۲۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

یہ (قرآن) ایک پیغام ہے لوگوں کے لئے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو (قہر الٰہی سے) ڈرایا جائے اور تاکہ لوگ جان لیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت پکڑیں۔

تشریح: یہ قرآن لوگوں کے لئے اللہ کا کھلا پیغام ہے تاکہ لوگ سعادت و شقاوت کو پہچانیں اور ظلمتوں سے نکل کر نور کی طرف آئیں اور تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو خبردار کر دیا جائے اور لوگ اس بات کا یقین کر لیں کہ معبود برحق وہی ذات واحد و یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت و عبرت حاصل کریں۔

[illegible]

کافروں کی سرکشی

وقالوا یایها الذی نزل علیه الذکر انک لمجنون ○ لو ما
تاتینا بالملئکة ان کنت من الصدقین ○ ما ننزل الملئکة

کرنے والے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کافروں کا قرآن لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کرنا قرآن وحامل قرآن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ اس قرآن کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ یہ قیامت تک ہر طرح کی لفظی ومعنوی تحریف سے محفوظ رہے گا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول واحکام کبھی نہیں بدلیں گے۔ قرآن مجید کی حفاظت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم الشان وعدہ ایسے حیرت انگیز طریقے سے پورا ہو رہا ہے کہ جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب ومغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔ "میور" کہتا ہے "جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی کتاب ایسی نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"۔ ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ "ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو جیسا محمد (ﷺ) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں"۔

نزول قرآن کے وقت سے آج تک ایک زبر زیر تبدیل نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے، کسی نے آیتیں شمار کر ڈالیں۔ کسی نے حروف کی تعداد بتائی، حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب (زبر، زیر) اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت ایسی نہیں بتائی جا سکتی جس میں قرآن کے حافظوں کی تعداد ہزاروں لاکھوں میں موجود نہ رہی ہو۔ ذرا غور کرو ایک آٹھ دس سال کا یا اس سے بھی کم عمر ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں ایک نہایت چھوٹا سا رسالہ یاد کرنا دشوار ہے وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پر ہے۔ کس طرح فرفر سنا دیتا ہے۔ پھر اگر کسی مجلس میں ایک بڑے عالم فاضل اور جید حافظ سے کوئی حرف یا لفظ چھوٹ جائے یا زبر زیر کی غلطی ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے اور تصحیح کرنے والے چاروں طرف سے اسے للکارتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ قرآن مجید کی حفاظت کا یہ سب انتظام واہتمام اللہ ہی کی طرف سے اور اسی کی توفیق سے ہے۔

(حقانی ۷۳۳، ۷۳۴/۱)

نبی گزر چکے ہیں ان کو بھی اس وقت کے منکرین و کفار جھٹلاتے رہے۔ ان کی بھی ہنسی اڑاتے رہے۔ ضدی اور متکبر لوگ جب گناہوں میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو ان کے دلوں میں رسولوں کی تکذیب رچا بسا دی جاتی ہے۔ یہاں مجرموں سے مراد مشرکین ہیں۔ وہ حق کو قبول نہیں کرتے۔ گزشتہ لوگوں کا حال ان کے سامنے ہے۔ جس طرح اپنے کفر و عناد کی بنا پر وہ لوگ ہلاک و برباد ہوئے اسی طرح یہ بھی تباہ و برباد ہوں گے۔ جس طرح سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی اتباع کرنے والے امن و عافیت پا گئے اسی طرح رسول اللہ ﷺ اور ان کے بتائے ہوئے طریقے اور راستے پر چلنے والے مومنین بھی فلاح و عافیت پائیں گے۔ پس دنیا و آخرت کی بھلائی رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہے اور دونوں جہان کی رسوائی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ہے۔

پھر فرمایا کہ ان کے عناد و ضد کی حالت یہ ہے کہ اگر ہم آسمان سے فرشتے اتارنے کی بجائے آسمان کا دروازہ کھول کر خود ان کو آسمان پر پہنچا دیں اور پھر وہاں یہ لوگ فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کہیں گے کہ ہماری نظر بند کر دی گئی ہے۔ اس لئے ہم اپنے آپ کو آسمان پر چڑھتا ہوا تو دیکھتے ہیں مگر حقیقت میں ہم آسمان پر نہیں چڑھ رہے ہیں کیونکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

(ابن کثیر ۵۳۱/۲، مظہری ۲۳۳/۵)

توحید کے دلائل

۱۶-۲۰۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝

اور البتہ ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کے لئے

نے تمہارے لئے بھی سامانِ زندگی پیدا کیا اور تمہارے علاوہ دوسری مخلوقوں کے لئے بھی سامانِ زندگی پیدا کیا۔

(ماخوذ از ... معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۰-۱۹۹/۴)

عجائباتِ قدرت

۲۱-۲۵۔ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۝ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝

اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اس (چیز) کو ایک مقررہ مقدار میں اتارتے رہتے ہیں اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم نے وہ (پانی) تمہیں پلایا اور تم اس (قدر پانی) کو جمع کر کے نہیں رکھ سکتے تھے اور تحقیق ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (سب کے) وارث ہیں اور یقیناً ہم تم میں سے اگلوں کو بھی (خوب) جانتے ہیں اور تمہارے بعد والوں سے بھی خوب واقف ہیں اور بیشک آپ کا رب ہی (قیامت کے روز) سب کو جمع کرے گا۔ بلاشبہ وہ حکمت والا (اور) علم والا ہے۔

قَدَرٍ اندازہ، مقدار۔ اللہ تعالیٰ کا حکم۔

لَوَاقِحَ بادلوں کو پانی سے بھرنے والیاں، بوجھل کر دینے والیاں۔ لقح سے اسم فاعل۔

انسان: انسان، آدمی، مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ انس سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ظہور کے ہیں، کیونکہ انسان ظاہری آنکھ سے دکھائی دیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انس (دلی وابستگی) سے مشتق ہے کیونکہ انسان باہم مانوس ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ انسان، نسیانٌ (بھولنا) سے مشتق ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک حکم دیا گیا تھا۔ مگر وہ اس کو بھول گئے۔

صلصال: وہ خشک مٹی جو آگ میں نہ پکائی گئی ہو اور کھن کھن بولتی ہو یعنی بجانے سے کھنکھناتی ہو۔

حما: دلدلی کیچڑ جو زیادہ پانی سے قریب ہونے سے کالی پڑ جاتی ہے۔ گارا، گیلی مٹی۔

مسنون: متغیر، سڑا ہوا، جس کا رنگ و بو بدل جائے۔ سنٌّ سے اسم مفعول۔

السموم: گرم ہوا، لو، تیز بھاپ، وہ سخت گرمی جو مسامات کے اندر گھس جائے۔

تشریح: بلاشبہ ہم نے انسان کو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جو انسان کی اصل ہیں، کھنکھناتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا جو سڑے ہوئے گارے سے تیار کی گئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہم نے جنات کو نہایت تیز لو والی آگ سے پیدا کیا۔ سموم آگ کی تیز لو کو کہتے ہیں اور حرورٌ دن کی گرمی کو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جن آگ کے شعلوں سے بنائے گئے ہیں یعنی بہت تیز آگ سے۔ صحیح میں وارد ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے اور جن شعلے والی آگ سے اور آدم اس سے جو تمہارے سامنے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس آیت سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت و شرافت اور ان کے تخلیقی عنصر کی پاکیزگی اور طہارت کا بیان ہے۔ (ابن کثیر ۵۵۰/۲)

فرشتوں کے سامنے تخلیق آدم کا اعلان۔

۲۸، ۲۹۔ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ

سٰجِدِیْنَ ○

اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے کیچڑ سے بنی ہے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدے میں گر جانا۔

تشریح: حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے بنی ہوئی ہوگی ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی خاص روح پھونک دوں جس سے وہ زندہ ہو جائے گا تو تم سب اس کی طرف رخ کر کے سجدے میں گر پڑنا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی مخلوق مٹی سے نہیں بنائی گئی۔ چونکہ مٹی کی خاصیت تذلل اور خاکساری ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنا کر ان کو اللہ کے حضور میں تضرع کرنے والا بنا دیا اور ان کو اعلیٰ درجے کا مقام عبدیت و عبودیت حاصل ہوا۔

ابلیس کا غرور و تکبر

۳۰-۳۳۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○

پھر سب فرشتوں نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اس نے اس سے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کر چکا تو تمام فرشتوں نے اس کی طرف رخ کر کے اس کو سجدہ کیا سوائے ابلیس ملعون کے جس نے غرور و تکبر کی بنا پر اپنے آپ کو بڑا اور افضل سمجھتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ کے حکم کی پرواہ نہ کی اور نہ اس نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے اس لئے اس کا حکم حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ فرشتوں میں سے نہ تھا بلکہ وہ جنوں میں سے تھا۔ جنوں کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور آگ کی اصل علو اور استکبار ہے۔ اس لئے اس نے اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے افضل و برتر سمجھا جو مٹی سے بنائے گئے تھے۔ اور یہ نہ سوچا کہ گو حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے ہیں مگر ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنایا ہے۔ یہ شرف و فضیلت کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں انسان کو سجدہ نہیں کروں گا جس کو تو نے کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو سڑے ہوئے گارے سے بنائی گئی تھی۔ مٹی کا وجود تو تمام عناصر سے کمتر ہے۔ مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے جو تمام عناصر سے لطیف اور اعلیٰ و اشرف ہے۔ اس لئے میں حضرت آدم علیہ السلام سے افضل و اشرف ہوں۔ بھلا افضل و اشرف مخلوق ادنیٰ اور کثیف مخلوق کو سجدہ کیوں کرے۔

روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! آیت وان جہنم لموعدہم اجمعین نازل ہوئی تو قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کا داعی بنا کر بھیجا ہے اس غم سے پارہ پارہ ہو گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۵: ۳۰۵)

تشریح: بلاشبہ پرہیزگار لوگ باغوں، نہروں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ ان جنتوں اور چشموں کے اندر امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اب تم ہر آفت و مصیبت سے محفوظ اور ہر خوف و خطر سے مامون ہو گئے۔ تم کو یہاں نعمتوں کے زوال کا ڈر ہے اور نہ یہاں سے نکالے جانے کا خوف، نہ مرض اور موت کا غم۔

پھر فرمایا کہ اگر اہل جنت کے دلوں میں کوئی رنجش، کینہ یا بغض باقی ہوگا تو ہم ان کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کو ختم کر دیں گے اور وہ سب بھائی بھائی کی طرح ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے اور محبت و شفقت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔ وہاں نہ ان کو کبھی کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے اور نہ وہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے کیونکہ جنت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ میں بہت بخشنے والا مہربان ہوں۔ کسی گنہگار کو میری مغفرت و رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ آپ ان کو یہ بتا دیجئے کہ میرا عذاب بھی نہایت سخت ہے۔ اس لئے کسی وقت بھی عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔

ایک حدیث میں ہے آپ نے فرمایا کہ اگر بندے اللہ تعالیٰ کی معافی کو معلوم کر لیں تو حرام سے بچنا چھوڑ دیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو معلوم کر لیں تو اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں۔ (ابن کثیر ۲: ۵۵۳، ۵۵۴)

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ

۵۱۔ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تو آپ کو ایک ایسے لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دینے آئے ہیں جو بڑا ہو کر بڑا عالم بنے گا۔ یہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی بھی بوڑھی تھیں اس لئے انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا اس حالت میں ہمارے ہاں بچہ ہو گا۔ فرشتوں نے دوبارہ زور دے کر اپنی بشارت کو دہرایا اور کہا کہ یہ اللہ کا سچا قول اور حکم ہے جس کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ سو آپ ظاہری اسباب پر نظر کر کے ناامید نہ ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ ماں باپ کے بغیر پیدا کر سکتا ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ بڑھاپے میں اولاد عطا فرما دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کی ذات سے ناامید نہیں۔ اللہ سے ناامید تو گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ کی قدرت میں مجھے کچھ شبہ نہیں البتہ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے تعجب ہوا۔

مہمانوں کی آمد کا مقصد

۶۰،۵۷۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ○ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ○

(حضرت) ابراہیم نے پوچھا کہ اے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا کیا قصد ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایک نافرمان قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ سوائے لوط کے گھر والوں کے۔ بیشک ہم ان سب (آلِ لوط) کو بچا لیں گے سوائے اس کی عورت کے کہ ہم (اللہ) نے اس کے لئے طے کر لیا ہے کہ وہ (ہلاک ہونے والوں کے ساتھ) پیچھے رہ جائے گی۔

خَطْبُكُمْ: تمہارا معاملہ، تمہارا احوال، تمہارا قصد۔

قَدَّرْنَآ: ہم نے مقدر کر دیا۔ ہم نے مقرر کر دیا۔ ہم نے طے کر دیا۔ تقدیرٌ سے ماضی۔

تمہیں مسافر سمجھوں۔

فرشتوں نے اپنا راز کھولتے ہوئے کہا کہ ہم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اللہ کے فرشتے ہیں اور اللہ کی طرف سے وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ مجرم لوگ شک وشبہ کیا کرتے تھے۔ ہم حق بات اور قطعی حکم لے کر آئے ہیں اور اپنی بات میں بالکل سچے ہیں۔

حضرت لوطؑ کو بستی سے چلے جانے کا مشورہ

۶۵، ۶۶۔ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ○ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ○

سو کچھ رات رہے آپ اپنے گھر والوں کو لے کر (یہاں سے) چلے جائیے اور آپ ان سب کے پیچھے رہیے اور تم میں سے کوئی مڑ کر بھی نہ دیکھے اور جہاں کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے وہاں چلے جاؤ اور ہم نے قطعی طور پر (حضرت) لوط کو یہ بتا دیا کہ صبح ہوتے ہی ان کی جڑ کٹ جائے گی

اَسْرِ: تو رات کے وقت لے کر چل۔ اِسْرَاءٌ سے امر۔

قَضَيْنَا: ہم نے حکم دیا۔ ہم نے فیصلہ کیا۔

دَابِر: جڑ، بنیاد، پچھاڑی۔ جمع دَوَابِرُ۔

تشریح: فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے خاندان سمیت اپنی اتباع کرنے والوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں یہاں سے تیزی سے نکل جائیں اور آپ سب کے پیچھے پیچھے رہیں تاکہ آپ کو ان کے حال کی خبر رہے۔ جب قوم پر عذاب آئے اور ان کا شور وغل سنائی دے تو کوئی بھی پیچھے مڑ کر ان کی طرف نہ دیکھے انہیں عذاب وسزا میں مبتلا چھوڑ کر سیدھے اسی طرف چلتے رہیں جس طرف جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

نے جواب دیا کہ جب آپ کو یہ خیال تھا تو آپ نے ان کو مہمان کیوں بنایا۔ ہم تو آپ کو پہلے ہی اس سے منع کر چکے ہیں۔

پھر حضرت لوط علیہ السلام نے ان بدبختوں کو مزید سمجھاتے ہوئے کہا کہ یہ میری لڑکیاں ہیں، تم ان سے نکاح کر کے اپنی خواہش پوری کر لو۔ چونکہ یہ بدبخت اپنی بدکرداری کے نشہ میں مدہوش تھے اور جو قضا اور عذاب الٰہی ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا اس سے غافل تھے اس لئے انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی ایک نہ سنی۔

قومِ لوط کی ہلاکت

۷۳ تا ۷۷۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ○ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ○ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ○ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○

پھر دن نکلتے ہی ان کو ہولناک آواز نے آلیا۔ پھر ہم نے ان بستیوں کو زیر و زبر کر دیا اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے۔ بیشک عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اور بیشک یہ بستی ایک آباد سڑک پر واقع ہے۔ بلاشبہ اس میں مومنوں کے لئے بڑی نشانی (عبرت) ہے۔

اَمْطَرْنَا: ہم نے برسایا۔ اِمْطَارٌ سے ماضی۔

سِجِّيْلٍ: کنکر، کھنگر، سنگ گل سے معرب۔

مُتَوَسِّمِيْنَ: اہل بصیرت، اہل فراست، تَوَسُّمٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام نے جب قوم کا یہ حال دیکھا تو وہ اللہ کے حکم سے اپنے

اصفح: تو درگزر کر، توجہ نہ دے۔ صفح سے امر۔

جمیل: خوبصورت، بہتر، نیک، خصائل سے صفت مشبہ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ ان سے صانع کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت و قدرت پر استدلال کیا جا سکے اور منکروں کے خلاف دلیل قائم ہو سکے۔ یہ عذاب بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا نازل کرنا حکمت تخلیق کا تقاضا ہے کہ یہاں شر و فساد کرنے والوں کو ہلاک و برباد کر کے ان کی فساد انگیزی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس روز اللہ تعالیٰ منکرین و مکذبین کو ان کے کفر و تکذیب کی سزا دے گا۔ سو آپ ان معاندین کی ایذا رسانی اور تکذیب سے چشم پوشی کیجئے اور ان کے حال کو مشیت الٰہی پر چھوڑ دیجئے وہ خود ان سے بدلہ لے لے گا۔ آپ کا رب ہی بہت بڑا خلاق ہے۔ تمام موجودات اسی کے ہاتھ میں ہیں وہ مارنے کے بعد پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور کسی کام سے عاجز نہیں۔ وہ نیکوں اور بدکاروں کو خوب جانتا ہے پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزاء و سزا دے گا۔

سبع مثانی اور قرآن عظیم کا تحفہ

۸۷ - ۹۳۔ وَلَقَدْ آتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ○ كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ○ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ○ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اعراف تک ۶ سورتیں ہیں۔ ساتویں سورت کے بارے میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ مل کر ایک سورت ہے اسی لئے ان کے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ بعض علما کہتے ہیں کہ سبع طوال کی ساتویں سورت سورۂ یونس ہے اور ان سورتوں کو مثانی اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں فرائض، حدود، قصص اور احکام اور امثال عبرت کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ ان مشرکین و منکرین کے ایمان نہ لانے پر آپ کو رنجیدہ اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں، البتہ آپ مومنوں کے ساتھ نرمی، خوش خلقی اور تواضع کے ساتھ پیش آتے رہیے جو لوگ اپنے عہدہ اور مال و دولت کے نشہ میں قرآن کی دولت سے اعراض کریں تو آپ بھی ان سے اعراض کیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ میں تو صاف صاف ڈرانے والا اور خبردار کرنے والا ہوں۔ جو لوگ میری تکذیب کریں گے وہ بھی سابقہ انبیاء کو جھٹلانے والوں کی طرح عذاب خدا کا شکار ہوں گے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سب سے ان کے اعمال کی بازپرس ضرور کرے گا۔ یہاں مقتسمین سے مراد قسمیں کھانے والے ہیں جو انبیاء کی تکذیب اور ایذا رسانی پر قسما قسمی کر لیتے تھے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۵۰۔۱۴۸/۴، ابن کثیر ۵۵۵،۵۵۴/۲)

اللہ کا پیغام صاف صاف پہنچانے کا حکم

۹۴-۹۹۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ○ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ○ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ○ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ○ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ○

سو جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اس کو صاف صاف سنا دیجئے اور

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: مشرکین کے لئے وعید و تہدید ہے جو آنحضرت ﷺ سے عذاب جلد منگوانے کا تقاضا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا انبیاء پر وحی نازل کرنا تاکہ وہ لوگوں کو خبردار کردیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس لئے اسی سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ پھر زمین و آسمان کے بنانے۔ تخلیق انسان اور چوپایوں کے پیدا کرنے میں توحید کے دلائل کا بیان ہے۔ آخر میں بتایا گیا ہے کہ توحید و تقویٰ ہی اللہ تک پہنچنے کا سیدھا اور صحیح راستہ ہے۔

رکوع ۲: ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں اور نظام کائنات کا بیان ہے۔ پھر انسان کے لئے سمندر کی تسخیر اور پہاڑوں کی تخلیق کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں باطل معبودوں کی بے بسی اور عاجزی کا ذکر ہے۔

رکوع ۳: شروع میں اللہ کی وحدانیت کا بیان کہ اس کے سوا کوئی خالق و معبود نہیں۔ وہ واحد و یکتا اور وہی عالم الغیب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر منکرین نبوت کا انجام بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز وہ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جو ان کی باتوں سے گمراہ ہوں گے۔

رکوع ۴: سابقہ قوموں کا انجام اور جانکنی کے وقت مشرکین کی حالت کا بیان ہے۔ پھر پرہیزگاروں کا انجام اور کفار کو تنبیہ کی گئی ہے۔

رکوع ۵: مشرکین کے دلائل کا رد اور انبیاء کی بعثت کا مقصد بیان کرنے کے بعد مشرکین کی پختہ قسموں کا ذکر ہے۔ جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا۔

رکوع ۶: ہجرت کے منافع کا بیان اور اہل ذکر سے استفادے کا حکم مذکور ہے۔ پھر منکرین و مشرکین کی تہدید اور انسان کی غفلت پر تنبیہ ہے۔

دلیری اور جلد بازی کے جواب میں فرمایا کہ اَمْرُ اللّٰہ یعنی اللہ کا عذاب عالم غیب میں تو تم پر مقرر ہو چکا اور تم پر آ چکا گو اس کا ظہور کسی حکمت کے تحت وقت مقرر پر ہو گا۔ یہ امر یقینی ہے کہ کافروں کو دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ دنیا میں کفر ذلیل و خوار اور مغلوب ہو گا اور اسلام سر بلند ہو گا۔ پھر اے منکرو تم جلدی کیوں کر رہے ہو۔ تم بہت جلد اس عذاب کو دیکھ لو گے۔ جب وہ عذاب الٰہی آئے گا تو تم اس سے بچ نہیں سکو گے۔ سو تم عذاب آنے سے پہلے پہلے کفر و شرک سے توبہ کر لو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔

مشرکین یہ بھی کہتے تھے کہ اگر دنیا یا آخرت میں ان پر کوئی مصیبت آ بھی گئی تو وہ فرشتے اور دیوتا جن کو وہ پوجتے ہیں اور جو ان کے گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قضاء و قدر اور دوسرے امور میں شریک ہیں وہ ان کی مصیبت کو دور کر دیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو تم اللہ کا شریک کہتے ہو وہ تمہارے ذرا کام نہ آئیں گے۔ ان میں سے نہ تو کوئی اللہ کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور نہ اس کے عذاب کو روک سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بری ہے۔ وہ پاک اور بلند و بالا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے کام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ (حقانی ۹۳/۳، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۳۰۲/۵)

فرشتوں کا وحی لے کر نازل ہونا

۲۔ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ○

وہ فرشتوں کو وحی دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) خبردار کر دیں کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

اَلْمَلٰٓئِكَةُ: فرشتے، اسم جنس، واحد مَلَكٌ۔ ابن عباس کا قول ہے کہ یہاں فرشتوں سے مراد ایک

پھر وہ کھلم کھلا دشمن بن کر جھگڑنے لگا اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا اور اپنا پیدا ہونا بھول گیا اور کہنے لگا بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟" آپ کہہ دیجئے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو اول بار پیدا کیا تھا اور وہ سب کچھ بنانا جانتا ہے۔ (ابن کثیر ۵۶۰/۲، عثمانی ۷۰۳/۱)

چوپایوں کی تخلیق میں توحید کی نشانیاں

۵۔۸ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور چوپایوں کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ ان میں تمہارے گرم لباس کا بھی سامان ہے اور دوسرے فائدے بھی اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور ان کی وجہ سے تمہاری عزت و شان بھی ہے جب تم ان کو شام کے وقت چرا کر لاتے ہو اور صبح کو چرانے لے جاتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ بھی اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تم اپنے آپ کو انتہائی مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بیشک تمہارا رب تم پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہے اور اسی نے تمہاری سواری اور زیبائش کے لئے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کو تم جانتے بھی نہیں۔

انعام: مویشی، چوپائے، اونٹ، گائے، بکری کو کہا جاتا ہے۔ (مفردات امام راغب ۴۹۹)

دِفْءٌ: گرمی اور گرمائی حاصل کرنے کی چیز۔ مراد اون ہے جس سے گرم کپڑے بنائے

ہو اور جن کو تم مدد و روزی بھی قرار دیتے ہو۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِىْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَاَىَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۝ (المؤمن آیات ۷۹ تا ۸۱)

اللہ نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں تاکہ تم ان پر سواری کرو، اور انھیں کھاؤ اور ان میں تمہارے لئے بہت سے فائدے ہیں تاکہ تم اپنی دلی حاجتیں پوری کرو اور تمھیں کشتیوں پر بھی سوار کرایا اور تمھیں بہت سی نشانیاں دکھائیں سو تم کس کس نشانی کا انکار کرو گے۔

جب ڈھور ڈنگر گھر میں بندھے ہوئے کھڑے ہوں یا جنگل میں ہوں اس وقت انعام الٰہی کا ایسا صاف مظاہرہ نہیں ہوتا جیسا اس وقت ہوتا ہے جب وہ صبح کے وقت گھر سے نکل کر چرنے کے لئے چراگاہ یا جنگل کی طرف جاتے ہیں یا شکم سیر ہو کر شام کو جنگل سے گھر کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس وقت ایک عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی ہے۔ وہ تر و تازہ اور خوبصورت ہوتے ہیں ان کے تھن دودھ سے لبریز ہوتے ہیں۔ اس وقت مالک ان کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو کیسا حسن دولت دیا ہے۔ اس طرح دیکھنے والوں کی نظر میں تمہاری عزت اور ساکھ قائم ہو جاتی ہے۔

اپنی نعمتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارا رب جس نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع بنا دیا ہے وہ تم پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہے۔ یہی جانور تمہارے بھاری بھاری بوجھ یعنی اموال تجارت، تمہارا زاد راہ اور خود تمھیں اپنی کمر پر لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے ہیں جہاں تم سخت محنت و مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ حج، جہاد وغیرہ اور ایسے ہی دوسرے سفر ان جانوروں پر ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی کتنی بڑی شفقت و مہربانی ہے کہ اس نے حیوانات کو تمہاری خدمت میں لگا دیا اور سخت مشکل مہمات کو ان جانوروں کے ذریعے تمہارے لئے آسان کر دیا۔

پھر فرمایا کہ اس نے تمہاری سواری اور زینت کے لئے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا فرما دیئے تاکہ تمہارے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور اپنا سامان و اسباب مختلف مقامات پر منتقل کرنا آسان ہو جائے۔ عرب میں گدھے کی سواری معیوب تھی۔ وہاں گدھے نہایت گھٹیا، کم طاقت اور کم رفتار ہوتے ہیں۔ بعض گدھوں کے سامنے تو گھوڑوں کی بھی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔

جن حیوانات کا اوپر ذکر ہوا ہے ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ تمہارے فائدے کے لئے وہ چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا جن کی فی الحال تمہیں خبر بھی نہیں۔ اس میں وہ سب سواریاں داخل ہیں جن کا زمانہ قدیم میں نام و نشان نہ تھا اور نہ کوئی تصور تھا۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ اور جو سواریاں آئندہ زمانے میں قیامت تک ایجاد ہوں گی وہ بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ تخلیق کے لئے یہاں مستقبل کا صیغہ یخلق استعمال ہوا ہے۔

(ابن کثیر [illegible]، [illegible])

باطنی سیاحت

۹۔ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۭ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچاتا ہے اور ان میں سے بعض راستے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو سیدھی راہ دکھا دیتا۔

قصد السبیل: اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ یعنی حق کا راستہ جو شخص اس راستے پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچ جائے گا۔

جائرٌ: کج، ٹیڑھا، غلط راہ، صراط مستقیم سے ہٹا ہوا، کفر و بدعات اور خواہشات نفس کا راستہ۔ جور سے اسم فاعل۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ تم حیوانات کی پیٹھ پر سوار ہو کر خود بھی دور

میں تم (مویشی) چراتے ہو۔ اسی (پانی) سے اللہ تمہارے لئے کھیتی اور
زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ بیشک اس میں
اس قوم کے لئے (توحید کی) ایک (بڑی) دلیل ہے جو غور کرتی ہے۔

تُسِیْمُوْنَ: تم چراتے ہو۔ اسامۃ سے مضارع۔

یُنْبِتُ: وہ زمین سے پیدا کرتا ہے۔ وہ اگاتا ہے۔ انبات سے مضارع۔

وَالنَّخِیْلَ: کھجور کے درخت۔

اَعْنَابَ: انگور، واحد عِنَبٌ۔

تشریح: چوپایوں اور دوسرے حیوانات کی پیدائش اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کے ذکر کے بعد ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے نشانات بیان کئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ وہی قادر مطلق تمہارے لئے آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے تم خود بھی فائدہ اٹھاتے ہو اور تمہارے چوپائے بھی۔ اسی نے اس پانی کو صاف، شفاف اور خوش ذائقہ بنایا جو تمہارے پینے کے کام آتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو اس کو کھاری اور کڑوا بنا دیتا۔ اور وہ تمہارے کسی کام کا نہ ہوتا۔ اسی بارش کے پانی سے درخت اور دوسرے پودے اگتے ہیں جن کو تمہارے جانور چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

پھر اس کی قدرت دیکھو کہ وہ تمہارے لئے ایک ہی زمین اور ایک ہی طرح کی آب و ہوا سے مختلف شکل و صورت، مختلف مزے اور مختلف خوشبو کے طرح طرح کے پھل اور پھول پیدا کرتا ہے۔ یہ نشانیاں اس کی قدرت کاملہ کے اقرار اور اس کی معرفت کے لئے کافی ہیں۔ بلاشبہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں اس کی قدرت کاملہ کی بڑی دلیل ہے کہ ایک دانہ زمین میں گرتا ہے پھر زمین کی تری سے وہ پھٹ کر اس میں سے باریک سا تنا نکلتا ہے اور اس کے نیچے کے حصے میں جو زمین کے اندر ہوتا ہے، وہ کچھ باریک جڑیں بن جاتی ہیں جو زمین سے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ یہ تنا اسی طرح بڑھتا رہتا ہے اس میں شاخیں، پتے، پھول اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سب ایک قادر مطلق اور وحدہ لاشریک ذات کی کرشمہ سازی ہے۔ وہی جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ (ابن کثیر ۵۹۳، ۵۶۴/۲۔ مظہری ۳۲۹، ۳۲۸/۵)

نظامِ کائنات

۱۲،۱۳۔ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ
مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِہٖ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا ذَرَاَ
لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ
یَّذَّکَّرُوْنَ ۝

اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بھی تمہارے کام میں لگا دیا اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ بیشک اس (تسخیر) میں (بھی) عقلمند قوم کے لئے (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں اور اس نے تمہارے لئے زمین میں جو رنگ برنگ کی چیزیں پیدا کی ہیں، بیشک ان میں بھی نصیحت حاصل کرنے والی قوم کے لئے ایک (بڑی) نشانی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے حکم سے تمہارے فائدے کے لئے رات و دن، سورج و چاند اور ستاروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا اور ان کو تمہارے کام میں لگا دیا۔ دن اور رات کے باری باری آنے اور چاند و سورج کے طلوع و غروب سے اور اوقات کے بدلنے سے نظامِ کائنات چل رہا ہے اور سب اسی کے حکم سے اپنے اپنے مقررہ راستے پر، مقررہ رفتار سے چل رہے ہیں۔ بیشک اہلِ عقل کے لئے اس میں توحید و قدرتِ الٰہی کی بہت سی نشانیاں ہیں کہ آفتاب و ماہتاب اور کواکب و نجوم سب اجرام ہیں اور سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نے عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم عطا فرمائی ہے وہ سمجھتا ہے کہ چاند و سورج اور ستارے خود بخود حرکت نہیں کر رہے بلکہ جو ذات ان کو حرکت دے رہی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح اس نے کائنات کی چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا اسی نے تمہارے فائدے کے لئے زمین میں مختلف قسم کی چیزیں پیدا کیں جو باعتبار شکل و صورت

میں سے قسم قسم کی مچھلیاں نکال کر ان کا تازہ گوشت کھاتے ہو۔ سمندر کا پانی حد درجہ نمکین اور تلخ ہے۔ مگر اس سے جو مچھلی نکلتی ہے اس کا گوشت نمکین نہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال کی دلیل ہے کہ اس نے نمکین پانی سے ایک لذیذ چیز تمہاری خوراک کے لئے پیدا کر دی۔ اسی نے تمہارے لئے سمندر میں موتی اور مرجان پیدا کر دیئے۔ تم ان کو نکال کر اپنے پہننے کے لئے زیور بناتے ہو۔ اگرچہ تَلْبَسُوْنَهَا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ مگر یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ تمہاری عورتیں زینت حاصل کرنے کے لئے ایسے زیور پہنتی ہیں جو موتی اور مرجان سے بنائے جاتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو حسین و جمیل دکھائی دیں۔

پھر فرمایا کہ تمہاری کشتیاں اس سمندر میں ہواؤں کو ہٹاتی اور پانی کو چیرتی ہوئی تیرتی چلی جاتی ہیں۔ ایک ہی ہوا سے کشتی کا ایک جانب سے دوسری جانب پار ہو جانا اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی نشانی ہے۔ کشتیوں کا سمندر میں چلانا اس لئے ہے تاکہ ان پر سوار ہو کر تجارت کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرو اور فضل الٰہی سے نفع کماؤ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت و احسان کا شکر ادا کرو۔ (روح المعانی ۱۴/۱۱۳، ۱۱۴/ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۶/۴)

پہاڑوں کی تخلیق کا مقصد

۱۵-۱۸۔ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝ أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

اور اسی نے زمین پر پہاڑ رکھ دیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر جھکنے (اور ہلنے) نہ لگے اور (اس نے ان پہاڑوں میں) نہریں اور راستے (بنا دیئے) تاکہ تم راہ پاؤ۔ اور (راہ ہدایت کی) بہت سی نشانیاں بنائیں اور لوگ ستاروں سے بھی راستہ معلوم کرتے ہیں۔ کیا وہ جو (ان سب کو) پیدا

کرتا ہے اس کی مانند ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا کیا تم اتنا بھی نہیں
سمجھتے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو (کبھی) نہ گن سکو گے۔ بیشک
اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اَلْقٰی ۔ اس نے ڈالا۔ اِلقاءٌ سے ماضی۔

رَوَاسِیَ ۔ جمے ہوئے پہاڑ، یہ جمع ہے رَاسِیَۃٌ کی۔

تَمِیْدَ : وہ ہلتی ہے، وہ ڈگمگاتی ہے، وہ جھکتی ہے۔ مَیْدٌ سے مضارع۔

تَعُدُّوْا : تم شمار کرتے ہو، تم گننے لگو۔ عَدٌّ سے مضارع۔

تُحْصُوْھَا تم اس کا شمار کر سکتے، تم اس کو گن سکو گے۔ اِحْصَاءٌ سے مضارع

تشریح: اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہلنے جلنے سے بچانے کے لئے اس پر مضبوط اور اونچے
پہاڑوں کو جما دیا تاکہ زمین پر رہنے والوں کو زندگی گزارنے میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ
ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اس میں ہر طرف چشمے، نہریں اور دریا بہا دیئے۔ ان میں سے کوئی تیز رو
ہے اور کوئی سست، کوئی طویل ہے اور کوئی مختصر۔ کبھی ان میں پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی کم اور
کبھی یہ بالکل خشک ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اس کا فضل و کرم اور لطف و رحم ہے۔ اس لئے اس کے
سوا کوئی پروردگار ہے اور نہ کوئی عبادت کے لائق ہے۔ وہی رب ہے اور وہی معبود برحق ہے۔ اسی
نے اپنے فضل و کرم سے تمہارے ادھر سے ادھر جانے کے لئے خشکی اور تری میں، پہاڑوں اور
میدانوں میں، بستیوں اور ویرانوں میں غرض سب جگہ راستے بنا دیئے۔ کوئی راستہ تنگ ہے تو
کوئی کشادہ، کوئی آسان ہے تو کوئی دشوار۔ اس نے کچھ علامتیں بھی مقرر کر دی ہیں جن سے
خشکی اور تری کے مسافر راستہ معلوم کر لیتے ہیں۔ ستارے بھی رہنمائی کے لئے ہیں۔ تاریک
راتوں میں انہی کے ذریعہ راستہ اور سمت معلوم کی جاتی ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کرتے ہیں وہ محض بے بس
ہیں۔ وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے۔ ظاہر ہے کہ خالق اور
غیر خالق یکساں نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا دونوں معبود بھی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہر قسم کی عبادت
صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔

نہ یہ سنتے ہیں نہ یہ سمجھتے ہیں اور نہ انہیں کسی قسم کا شعور ہے۔ ان کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ قیامت کب ہوگی اور ان کو اور ان کی پوجا کرنے والوں کو حساب و کتاب کے لئے دوبارہ کب زندہ کر کے کب اٹھایا جائے گا۔ ایسی بے جان اور بے خبر چیزوں کو خدا سمجھنا اور ان سے نفع کی امید اور ثواب کی توقع رکھنا حماقت اور جہالت ہے۔ (مظہری ۲۳۳ : ۵)

حقیقی معبود

۲۲، ۲۳۔ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝

تمہارا معبود (تنہا) ایک ہی معبود ہے۔ سو جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل اس حقیقت کو نہیں مانتے اور وہ تکبر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ (خوب) جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بیشک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے اور نہ کوئی عالم الغیب ہے۔ اس لئے تمہارا خدا ایک اور یگانہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ واحد و صمد ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے دل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی بے شمار نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور قبولِ حق سے تکبر کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں اس لئے وہ ہر عمل کی جزا اور سزا دے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔

کفار کو تنبیہ

۳۳، ۳۴۔ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِن كَانُوٓا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ فَأَصَابَهُمْ سَيِّـَٔاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ○

کیا یہ (منکرین) اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس (موت کے) فرشتے آجائیں یا آپ کے رب کا حکم آجائے۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسے ہی کیا تھا اور اللہ نے تو ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ آخر ان کے اعمال کی بری سزائیں ان کو ملیں اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا۔

حاق: اس نے گھیر لیا۔ وہ نازل ہوا۔ حیق و حیوق سے ماضی۔
یستھزءون: وہ ہنسی کرتے ہیں۔ استھزاء سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو تنبیہ کے لئے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس وقت تک راہ راست پر نہیں آئیں گے جب تک کہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کے لئے نہ پہنچیں یا ان پر کوئی ہلاک کرنے والا عذاب آجائے اور سب ایک دم ہلاک ہو جائیں۔ تب عذاب کو دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں امر ربی سے قیامت کا آنا مراد ہو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کیا یہ لوگ قیامت و موت کے منتظر ہیں کہ اس وقت ایمان لائیں گے حالانکہ اس وقت کا ایمان لانا معتبر نہ ہوگا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے آکر سب کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیں جو ناممکن اور محال ہے کیونکہ فرشتوں کو اصل صورت میں دیکھنا ہر بشری طاقت سے باہر ہے۔

جس طرح ان لوگوں نے کفر و شرک اختیار کر رکھا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کا انکار

زمانے اور ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کا حکم دیں اور شیطان سے بچنے کی تاکید کریں۔ سو ان سابقہ امتوں میں سے جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت یاب بنانا چاہا ان کو پیغمبروں کی رہنمائی سے ایمان کی توفیق دے دی اور جن کو اللہ نے بتقاضائے ازلی گمراہ بنانا چاہا تو پیغمبر کی تعلیم کا انکار ان کی گمراہی میں اضافے کا سبب بن گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منکرین کو کفر ہی کی حالت میں ہلاک کر دیا اور ان کی بستیوں کو اجاڑ دیا اور ان کے محل ویران ہو گئے۔ اے مشرکین مکہ تم دنیا میں گھوم پھر کر دیکھو تو سہی کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا۔ قوم عاد و ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب کی بستیاں دیکھو کہ کیسے کیسے عبرت کے نشانات ہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ علم الٰہی میں جن لوگوں کے حق میں گمراہی ہے جب آپ ان کے راہ راست پر آنے کی خواہ کتنی ہی تمنا کریں وہ لوگ راہ راست پر نہیں آ سکتے۔ جن کو اللہ ہی گمراہ کرے ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں کہ اللہ کی مشیت کے بغیر نہ ان کو عذاب سے بچا سکے یا ان کو ہدایت یافتہ کر دے۔

(روح المعانی ۱۴/۱۳۲-۱۳۵، مظہری ۵/۳۳۳، ۳۳۴ ملخصاً)

مشرکین کی قسمیں

۳۸ تا ۴۰۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ ۙ لَا یَبْعَثُ اللّٰہُ مَنْ یَّمُوْتُ ۚ بَلٰی وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ لِیُبَیِّنَ لَہُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّہُمْ کَانُوْا کٰذِبِیْنَ ○ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰہُ اَنْ نَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○

اور وہ (کافر) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ (قیامت کے روز) اس کو زندہ نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے اوپر پکا

وعدہ کر رکھا ہے۔ (وہ اس کو ضرور پورا کرے گا) لیکن اکثر لوگ نہیں
جانتے (وہ ضرور زندہ کرے گا) تاکہ اللہ ان پر یہ بات ظاہر کر دے
جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور تاکہ کافروں کو معلوم ہو
جائے کہ (واقعی) وہ جھوٹے تھے۔ بیشک جب ہم کسی چیز کے کرنے کا
ارادہ کرتے ہیں تو ہمارا اس کو کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو
جاتی ہے۔

جھد۔ زور دار کوشش، چستی۔ محنت۔ تاکید۔ عہد بستہ۔

ایمانھم ان کی قسمیں۔ واحد یمین۔

شان نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان
کا کسی مشرک پر کچھ قرض تھا۔ مسلمان اس مشرک کے پاس تقاضا کرنے گیا اور اس سے قرض
کے بارے میں کچھ بات چیت کی۔ گفتگو کے دوران مسلمان نے یہ بھی کہہ دیا کہ مرنے کے بعد
مجھے اللہ سے یہ امید ہے۔ اس پر مشرک نے کہا۔ تیرا مطلب یہ ہے کہ تمہیں مرنے
کے بعد زندہ ہونے کا یقین ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو مر گیا اس کو اللہ دوبارہ زندہ
کر کے نہیں اٹھائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۵/۳۰۳۔ روح المعانی ۱۴/۳)

تشریح: کافر چونکہ قیامت کے قائل نہیں ہیں اس لئے وہ دوسروں کو بھی اس عقیدے
سے ہٹانے کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں اور پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے
کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا۔ اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت ضرور آئے
گی۔ اللہ کا یہ وعدہ حق ہے۔ لیکن بہت سے لوگ جہالت اور لاعلمی کی بنا پر یہ نہیں جانتے کہ
اللہ کے وعدے کے خلاف ہونا محال ہے۔

قیامت آنے اور لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ
جن امور میں یہ لوگ دنیا میں اختلاف کرتے تھے ان میں سے حق کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ نیک
لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا ملے گی اور منکرین و مکذبین کو سزا ملے گی۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ
کافروں کا ان کی قسم میں جھوٹا ہونا ظاہر کر دیا جائے گا اور ان کو جہنم میں دھکیل کر بتا دیا جائے گا

اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی تو انسان ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ سو اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو تم اہل ذکر (اہل علم) سے پوچھ لو۔ ہم نے ان کو معجزات اور کتابیں دے کر (بھیجا تھا) اور (اے رسول) ہم نے آپ پر بھی قرآن نازل کیا ہے تاکہ جو تعلیمات ان کے لئے نازل کیا گیا ہے آپ اس کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کر دیں اور تاکہ لوگ (اس میں) غور کریں

تشریح: لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے آپ سے پہلے بھی ہم نے مرد ہی پیغمبر بنا کر بھیجے تھے۔ کسی فرشتے کو کبھی بھی پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ ہم ان پیغمبروں کے پاس فرشتوں کے ذریعے وحی بھیجتے تھے۔ اے مشرکین مکہ اگر تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس سے پہلے بھی انسانوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا رہا ہے اور تمہیں آدمیوں کے پیغمبر ہونے میں شک و شبہ ہے تو تم ان اہل علم سے معلوم کر لو جن کے پاس سابقہ آسمانی کتابوں کا علم ہے۔ ہم نے کھلے معجزات اور کتابیں دے کر مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔

اے محمد ﷺ جس طرح ہم نے پہلے رسولوں کو معجزے اور کتابیں اور صحیفے دے کر بھیجا تھا اسی طرح ہم نے آپ پر بھی قرآن مجید نازل کیا ہے، جو غافلوں کو ذکر بتاتا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کا واضح طور پر بیان کر دیں جو آپ کے ذریعہ ان کے پاس بھیجا گیا ہے اور وہ توحید اور معرفت الٰہی ہے، تاکہ یہ لوگ غور و فکر کریں، سوچیں سمجھیں اور جان لیں کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں۔ آیت میں ما نزل سے مراد ثواب کا وعدہ، عذاب کی وعید، احکام اور مجمل قوانین ہیں (ابن کثیر ۲/ ۵۷۱،۵۷۰، مظہری ۵/ ۳۵۹)

منکرین و مشرکین کی تہدید

۴۵ تا ۴۷ ۔ أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ○ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ○ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○

کیا ان لوگوں کو جو بری تدبیریں کیا کرتے تھے اس بات کا (ذرا بھی) خوف نہیں رہا کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جہاں سے گمان بھی نہ ہو یا وہ ان کو چلتے پھرتے (اچانک کسی آفت میں) پکڑ لے سو وہ اس کو عاجز نہیں کر سکتے یا وہ ان کو خوف کی حالت میں پکڑ لے سو تمہارا رب بڑا شفیق (اور) مہربان ہے۔

یخسف : وہ دھنسا دے گا۔ خسفٌ سے مضارع۔

حیث : جہاں، جس جگہ۔

تقلبھم : ان کا چلنا پھرنا۔ تقلّبٌ سے مصدر۔

تشریح: جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر اچانک کوئی عذاب اس طرح آ جائے کہ ان کے گمان میں بھی نہ ہو جیسے قوم لوط اور قوم شعیب پر آیا تھا یا اللہ ان مکار و بدکار لوگوں کو چلتے پھرتے آتے جاتے اور کھاتے کماتے ہی عذاب میں پکڑ لے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی شخص اور کوئی قوم عاجز نہیں کر سکتی۔ وہ ہار جانے والا، تھکنے والا اور ناکام ہونے والا نہیں اور وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ خوف میں مبتلا کر کے کسی کو آگ، کسی کو قتل اور کسی کو پے در پے ہلاک کر دے اور اسی طرح سب کو ختم کر دے لیکن تمہارا رب بہت مہربان اور رحیم ہے اس لئے وہ فوراً عذاب نہیں دیتا۔

مشرکوں کی بے عقلی

۵۶۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝

اور وہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے ان (بتوں) کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو وہ جانتے بھی نہیں۔ قسم ہے اللہ کی تمہاری افترا پردازی پر تم سے باز پرس ضرور ہوگی۔

نَصِيْبًا: حصہ، ٹکڑا، قسمت۔ جمع انصبۃٌ۔

تَفْتَرُوْنَ: تم افترا کرتے ہو۔ تم بہتان لگاتے ہو۔ افتراءٌ سے مضارع۔

تشریح: یہ مشرک لوگ ہماری دی ہوئی روزی میں بھی اپنے باطل معبودوں کے لئے حصہ مقرر کرتے ہیں۔ جن کے معبود ہونے کا نہ تو انہیں کچھ علم ہے اور نہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی سند اور دلیل ہے۔ بعض علما کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ بت بے جان ہیں، ہر قسم کے علم و شعور سے عاری ہیں اس لئے ان کو کسی چیز کا علم نہیں اور نہ ان کو یہ معلوم ہے کہ کون ان کی عبادت کرتا ہے۔ اس کے باوجود یہ احمق اور نادان، ان بے جان پتھروں کے لئے اللہ کی دی ہوئی روزی میں حصہ مقرر کرتے ہیں اور ان کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔ پس جو لوگ ان بتوں کو معبود بنا رہے ہیں ان سے افترا پردازی کی باز پرس ضرور کی جائے گی۔ (حقانی ۹۳/۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۲۰/۳)

مشرکین کی تنگدلی

۵۸،۵۷۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝

جاتی ہے تو غم سے اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ رنج و غم میں گھٹتا رہتا ہے اور جس لڑکی کی اس کو اطلاع دی جاتی ہے اس کی عار سے اپنی قوم کے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔

عربوں میں جب کسی کی بیوی کے ہاں پیدائش ہونے والی ہوتی ہے تو مرد پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے ہی اپنے قوم کے لوگوں سے چھپ جاتا اور بچے کی پیدائش کا انتظار کرتا ہے۔ اگر لڑکا پیدا ہوتا تو خوش ہو کر اپنے آپ کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ورنہ چھپا رہتا اور رنج و غم کے عالم میں سوچتا رہتا کہ اس لڑکی کو کیا کرے۔ اکثر لوگ لڑکی کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔ اسلام نے جاہلیت کی اس رسم بد کا خاتمہ کیا اور ان کی شقاوت قلبی کو شفقت و رحم دلی سے بدل دیا۔

پھر فرمایا۔ خوب سن لو کہ تمہاری تجویز بہت ہی بری ہے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا اس کے لئے لڑکیاں تجویز کرتے ہو اور خود لڑکیوں کو باعث نفرت و عار سمجھتے ہو اور لڑکوں کو پسند کرتے ہو۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی حالت بہت بری ہے کہ لڑکوں کو چاہتے ہیں اور لڑکیوں سے نفرت کرتے ہیں اور یہ ایسے سنگدل ہیں کہ ان کو زندہ در گور کر دیتے ہیں حالانکہ جو کچھ اللہ نے عطا فرمادیا خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی وہ باعث خیر و برکت ہے۔ اللہ کی شان سب سے اونچی ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے۔ وہ بیوی اور اولاد کا محتاج نہیں وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ (روح المعانی ۱۶۷،۱۷۰/ ۱۴، مواہب الرحمٰن ۱۳۱، ۱۳۳/ ۱۴)

اللہ تعالیٰ کا لطف و حلم

۶۱، ۶۲۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم (بے انصافی) پر پکڑنے لگتا تو کسی

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی باتیں تجویز کرتے ہیں جن کو وہ خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنے لئے بیٹیاں پسند نہیں کرتے اور نہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک کرنا پسند کرتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اس کے کاموں اور عبادات میں بتوں کو شریک بناتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ اپنی زبانوں سے جھوٹے دعوے بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں ہر طرح کی بھلائی انہی کے لئے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی بدکرداری کے سبب ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے اور بلاشبہ سب سے پہلے یہی لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ (عثمانی ۷۹۳/۱، مظہری ۳۴۹، ۳۵۰/۵)

آنحضرت ﷺ کو تسلی

۶۳، ۶۵۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○

(اے رسول) اللہ کی قسم ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف قوموں میں رسول بھیجے تھے مگر شیطان نے ان کے اعمال (بد) ان کو عمدہ کر کے دکھائے۔ سو وہ آج بھی ان کا دوست ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ہم نے آپ پر اس لئے کتاب اتاری ہے تاکہ جن چیزوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں آپ ان کو صاف صاف بیان کر دیں اور (نیز یہ کتاب) مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت (کا ذریعہ) ہے اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس نے اس (بارش کے پانی) سے مردہ ہو جانے کے بعد زمین کو زندہ کر دیا۔ بیشک اس میں سننے

النخیل والاعناب تتخذون منه سکرا ورزقا حسنا ط ان

فی ذلک لآیة لقوم یعقلون O

اور تمہارے لئے چوپایوں میں بھی ایک سبق ہے کہ ان کے پیٹوں میں
جو خون اور گوبر ہے اس کے درمیان میں سے خالص دودھ ہم تمہیں
پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے اور کھجور اور انگور کے
پھلوں میں بھی (تمہارے لئے عبرت ہے) جن سے تم نشہ بھی بناتے
ہو اور جن کو تم عمدہ روزی بھی قرار دیتے ہو بے شک عقل مندوں
کے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔

فرث: وہ گوبر جو جانور کے پیٹ میں ہو۔ جمع فروث۔

دم: لہو، خون۔ جمع دماء۔

سائغا: خوش ذائقہ، مزے دار، آسانی سے حلق میں اترنے والا۔ سوغ سے اسم فاعل۔

سکرا: نشہ کی چیز، نبیذ۔ جمع اسکار۔

تشریح: چوپائے جانور بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔ ان جانوروں
کے پیٹ میں جو اوجھ یا اوجھڑی ہوتی ہے اس میں سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہایت خوش ذائقہ اور
لطیف دودھ پلاتا ہے۔ جانوروں کے باطن میں جو خون اور گوبر وغیرہ ہے وہ اپنی قدرت کاملہ
کے ذریعہ اس سے بچا کر تمہارے لئے نہایت خوشگوار دودھ نکالتا ہے۔ نہ اس کی سفیدی میں
فرق آتا ہے اور نہ حلاوت اور ذائقے میں۔ جب جانور کا کھایا ہوا چارہ معدے میں پہنچتا ہے تو
وہاں مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے مثلاً اس کا کچھ حصہ خون بن جاتا ہے کچھ حصہ پیشاب بن کر
مثانے کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور گوبر بننے کا حصہ الگ ہو جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی
ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتا اور نہ وہ ایک دوسرے کو خراب اور متغیر کرتے ہیں۔ اس
طرح جانوروں سے جو خالص دودھ حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت ہے۔

اس کے بعد ایک اور نعمت یوں فرمائی کہ تم کھجور اور انگور کے شیرے سے شراب بنا
لیتے ہو اور حلال و عمدہ روزی بھی حاصل کرتے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثمران

ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہتے۔ اس کے ہاتھ پاؤں کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ کوئی بات سمجھ سکتا ہے اور نہ کوئی بات یاد رکھ سکتا ہے اور وہ ایسا ہی کمزور و ناتواں ہو جاتا ہے جیسا کہ بچپن میں تھا چنانچہ اس کو کسی چیز کا علم اور تجربہ رہتا ہے اور نہ ہی فہم و فراست۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے کی یہ حالت نہیں ہوتی۔

غرض اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل سے ہر شخص کی عمر کا اندازہ اور اپنی قدرت سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر چاہے تو طاقتور نوجوان پر ارذل العمر سے پہلے ہی موت طاری کر دے اور چاہے تو سو سال کا عمر رسیدہ انسان بھی طاقتور جوان رہے۔ یہ سب کچھ اسی کی وسعت قدرت میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۳۵۵، ۳۵۶)

ایک دوسرے کو رزق میں فضیلت

۷۱۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○

اور اللہ ہی نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے رزق میں سے اپنے غلاموں کو نہیں دے ڈالتے کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔ کیا پھر بھی اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی جہالت اور ان کے کفر کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے سب انسانوں کو رزق میں برابر نہیں بنایا بلکہ بعض کو بعض پر برتری دی ہے۔ یہاں فضیلت سے مراد ترقی ہے۔ کسی کو وہ بعض کو زیادہ رزق دیتا ہے اور بعض کو کم۔ کسی کو اس نے ایسا غنی بنایا ہے کہ اس کے پاس ہر قسم کا مال و سامان ہے۔ غلام اور خادم ہیں وہ خود بھی اپنی خواہش کے مطابق خرچ کرتا ہے اور اس کے غلاموں اور خدمت گاروں کو

بھی اس کے ذریعہ رزق پہنچتا ہے۔ کسی کو اتنا فقیر و محتاج بنا دیا کہ وہ اپنی ضروریات میں بھی دوسروں کا دست نگر ہے۔ کسی کو درمیانے حال میں رکھا کہ وہ اتنا غنی بھی نہیں کہ دوسروں پر خرچ کرے اور اتنا محتاج بھی نہیں کہ اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کی طرف دیکھے۔

اس قدرتی تقسیم کا ایک اثر یہ ہے کہ کوئی بھی غنی آدمی اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ وہ اپنے مال کو اپنے غلاموں اور خادموں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ اس کے خادم اور غلام بھی مال کے اعتبار سے اس کے برابر ہو جائیں۔

مشرکین بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بت اور دوسری مخلوقات جن کی وہ پرستش کرتے ہیں سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں۔ سو جب یہ مشرکین اپنے مملوک غلاموں اور خادموں کو اپنے برابر کرنا پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیوں پسند کرتے ہیں کہ اس کی مخلوق و مملوک چیزیں اس کے برابر ہو جائیں۔ کیا یہ اللہ کی نعمتوں کا انکار نہیں؟

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۳۵۹، مواہب الرحمٰن ۱۵۳، ۱۵۲/۱۴)

اللہ کی ایک اور نعمت

۷۲۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ○

اور اللہ نے تمہیں میں سے تمہارے لئے جوڑے (بیویاں) بنائے اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ کیا پھر بھی وہ جھوٹے معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔

حَفَدَةً: پوتے۔ خدمت میں سرگرم ہونا۔ واحد حَافِدٌ۔

تشریح: اللہ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری راحت و آرام کے لئے

کفر و شرک کا انجام

۸۸-۸۴۔ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ○ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ○ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۚ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ○ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ○

اور (اس دن کو یاد کرو) جس دن ہم ہر قوم میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے۔ پھر نہ تو کافروں کو (بولنے کی) اجازت ملے گی اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھیں گے تو وہ (عذاب) نہ تو ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو (کسی قسم کی) مہلت دی جائے گی اور جب مشرک اپنے شرکا کو دیکھیں گے تو کہیں گے۔ اے ہمارے رب! یہی وہ ہمارے شرکا ہیں جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پوجتے تھے۔ پھر وہ شرکا ان پر بات ڈال دیں گے کہ بلاشبہ تم جھوٹے ہو اور اس دن وہ اللہ کے سامنے سر جھکا دیں گے اور وہ (دنیا میں) جو افترا کرتے تھے وہ سب گم ہو جائیں گے اور جو لوگ (دنیا میں) خود بھی کفر کرتے تھے اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ ان کے لئے ہم عذاب پر عذاب بڑھائیں گے اس فساد کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔

۱۔ عدل: اس کے لغوی معنی آپس کے حقوق میں برابری کرنے کے ہیں یعنی آپس کے حقوق ادا کرتے وقت ظلم کو چھوڑ دینا اور حقدار کو اس کا حق پہنچا دینا۔ اسی لئے لوگوں کے نزاعی معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا عدل کہلاتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (نساء، آیت ۵۸)

یہ کہ تم لوگوں کے معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

علامہ ابن عربی نے فرمایا کہ لفظ عدل کے اصل معنی برابری کرنے کے ہیں۔ پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔

۱۔ اگر انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات و محرمات سے مکمل اجتناب کرے۔

۲۔ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے۔ یعنی اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جن میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو۔

۳۔ تمام مخلوق کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کا معاملہ کرے۔

۴۔ جب دو فریق اپنے کسی معاملے کا محاکمہ اس کے پاس لائیں تو کسی کی طرف میلان کے بغیر حق کے مطابق فیصلہ کرے۔

۵۔ ہر معاملے میں افراط و تفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرے۔

ابو عبداللہ رازی نے فرمایا کہ لفظ عدل میں عقیدے کا اعتدال، عمل کا اعتدال اور اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ج ۵، ۳۸۰ ج ۳/۵، نسفی ج ۲/۲۹۷)

۲۔ احسان: اس کے لغوی معنی اچھا کرنے کے ہیں۔ مثلاً عبادت کو اچھا کرنا، اعمال و اخلاق کو اچھا کرنا، معاملات کو اچھا کرنا وغیرہ۔ احسان کا درجہ عدل سے اوپر ہے کیونکہ عدل یہ ہے کہ جس قدر دوسرے شخص کا حق کسی کے ذمے ہو وہ پورا پورا ادا کر دیا جائے اور جس قدر اس کا حق کسی کے ذمے ہو وہ پورا پورا لے لیا جائے اور احسان یہ ہے کہ دوسرے شخص کو اس کے اصل

کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش اور امتحان کے لئے بعض قوموں کو قوی اور بعض کو ضعیف بنایا ہے۔ وہ بعض کو بلند کرتا ہے اور بعض کو نیچے گراتا ہے۔ اسی طرح عہد پورا کرنے کا حکم دینے میں بھی تمہاری آزمائش ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اپنا عہد پورا کرنے میں کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون عہد شکنی کرتا ہے۔

جن امور میں تم دنیا میں اختلاف کرتے ہو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کا فیصلہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ جن لوگوں نے عہد کو پورا کیا ہوگا ان کو ثواب اور جن لوگوں نے عہد شکنی کی ہوگی ان کو عذاب دے کر حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔

(حقانی ۷۷/۲، مواہب الرحمٰن ۱۸۹، ۱۹۱/ ۱۴)

مشیتِ خداوندی

۹۳-۹۶۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے (ہدایت سے محروم کر دیتا ہے) اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم سے تمہارے اعمال کی ضرور باز پرس ہوگی اور تم اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ دینے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ کہیں جمنے کے بعد

و متاع سے کہیں بہتر ہے جو عہد شکنی پر تمہیں حاصل ہوگا۔ جو کچھ دنیاوی مال و متاع تمہارے پاس ہے خواہ وہ کتنی ہی بڑی مقدار میں ہو وہ سب فنا ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔

جن لوگوں نے ایفائے عہد اور دوسرے احکام دین کی بجا آوری میں دنیا میں تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں اور ان پر صبر کیا اور ثابت قدم رہے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے صبر کی بنا پر ان کے اعمال کا نہایت اعلیٰ صلہ عطا فرمائے گا جو ان کے اعمال کے مقررہ اجر سے بہت زیادہ ہوگا۔ (ابن کثیر ۵۸۵/ ۲، مظہری ۳۶۸،۳۶۷/ ۵)

حیاتِ طیبہ

۹۷۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

جو شخص بھی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم (دنیا میں بھی) اس کی اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) ان کے کاموں کا ضرور عمدہ بدلہ (پورا پورا بدلہ) دیں گے۔

تشریح: اگر کوئی مومن نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تو ہم اس کو دنیا میں بالطف زندگی عطا کریں گے۔ اس آیت میں ایمان کی شرط اس لئے لگائی کہ کافر کسی ثواب کے مستحق نہیں خواہ وہ خالص نیت کے ساتھ کتنے ہی اچھے اعمال کریں۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک ثواب کا مدار رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اچھے عمل پر ہے اور کافروں کی نیکیوں میں اللہ کی رضا کا تصور ہی نہیں ہوتا۔

یہاں حیات طیبہ سے مراد دنیا کی پاکیزہ اور بالطف زندگی ہے۔ سعید بن جبیر کے نزدیک حیات طیبہ سے مراد رزق حلال ہے اور حسن کے نزدیک قناعت ہے۔ مقاتل بن حیان نے کہا کہ طاعت میں زندگی گزارنا حیات طیبہ ہے۔ (مظہری ۳۶۹،۳۶۸/ ۵)

بیضاوی نے کہا کہ پاکیزہ زندگی گزارنا حیات طیبہ ہے کیونکہ پاکیزہ زندگی گزارنے والا اگر مالدار اور فراخ حال ہے تو ظاہر ہے اس کی دنیوی زندگی پاکیزہ ہوگی اور اگر تنگدست ہے تو ظاہر ہے قناعت سے کام لے گا۔ تقسیم خداوندی پر راضی ہوگا اور آخرت میں اجر عظیم ملنے کا امیدوار ہوگا۔ اس طرح اس کی زندگی خوش عیش کے ساتھ گزرے گی۔ کافر کی زندگی اس کے برعکس ہوتی ہے۔ اگر وہ تنگدست ہے تو اس کی زندگی تلخ ہوتی ہے اور اگر وہ مالدار ہے تو اس کو اپنی موجودہ دولت کے زوال کا اندیشہ رہتا ہے اور ہر وقت حرص میں گرفتار رہتا ہے اور اس کی وجہ سے خوش عیش زندگی نہیں گزار سکتا۔ (بیضاوی ۴۳۰)

پھر فرمایا کہ آخرت میں بھی ہم ان کو ان کے اچھے اعمال کا بہترین اجر وثواب عطا کریں گے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اس کی نیکی کا بدلہ دنیا میں عطا فرماتا ہے اور آخرت کی نیکیاں بھی اسے عطا فرماتا ہے۔ البتہ کافر اپنی نیکیاں دنیا میں ہی کھا لیتا ہے۔ آخرت کے لئے اس کے ہاتھ کوئی نیکی باقی نہیں رہتی۔ (ابن کثیر ۲/۵۸۵)

تلاوتِ قرآن کا ادب

۹۸-۱۰۰۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ یقیناً شیطان کا زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یقیناً اس کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو دوست رکھتے ہیں

اور اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

اِسْتَعِذْ: تو پناہ مانگ۔ اِسْتِعَاذَۃٌ سے امر۔

اَلرَّجِیْم: دھتکارا ہوا۔ مردود۔ ملعون۔ رَجْمٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

سُلْطٰنٌ: اقتدار۔ قوت۔ دلیل۔ غلبہ۔ جمع سلاطین

تشریح: مومن کے لئے تلاوت قرآن کریم بہترین کام ہے۔ شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کو نیک کاموں سے روکنے میں کامیاب رہے خاص طور پر قرآن مجید کی تلاوت جیسے کام کو جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے وہ کب گوارا کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فرمایا کہ تم تلاوت قرآن کرنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو یعنی تلاوت قرآن مجید سے پہلے شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو کیونکہ استعاذہ (طلب پناہ) عمل صالح بھی ہے اور شیطان سے محفوظ رہنے کا ذریعہ بھی۔ استعاذہ کا یہ حکم فرضیت کے طور پر نہیں ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے اسی پر اجماع نقل کیا ہے۔ اس حکم کی مصلحت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا خلط ملط ہو جانے، غور و فکر سے رک جانے اور شیطانی وسوسوں کے آنے سے بچ جائے۔

پھر فرمایا کہ اللہ پر کامل بھروسہ کرنے والے مومنوں کو شیطان ایسے گناہوں میں مبتلا نہیں کر سکتا جن سے وہ توبہ ہی نہ کریں۔ ان کے سامنے شیطان مردود کی کوئی حجت نہیں چل سکتی۔ بلاشبہ شیطان کا زور تو صرف انہی لوگوں پر چلتا ہے جو از خود اسے اپنا دوست بناتے ہیں اور اس کے کہنے پر چلتے ہیں اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی عبادتوں میں شریک کرنے لگتے ہیں۔ (ابن کثیر ۵۸۶/ ۲۔ حقانی ۷۷ ۸/ ۱)

مشرکین کی کم عقلی اور بے یقینی

۱۰۱۔۱۰۳۔ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ

کی طرف سے حقانیت وصداقت اور عدل وانصاف کے ساتھ لے کر آپ کی طرف آتے ہیں تاکہ ایماندار لوگ ثابت قدم رہیں اور مسلمانوں کے لئے ہدایت وخوش خبری کا ذریعہ ہو جائے۔ اس میں افترا اور کذب کو دخل نہیں۔ یہ ایسا فصیح وبلیغ کلام ہے کہ تم اس کی مثل ایک چھوٹی سی آیت لانے سے بھی عاجز ہو۔

(ابن کثیر ۵۸۶ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۵۳ / ۴)

مشرکین کا ایک احمقانہ اعتراض

۱۰۳۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ (منکرین) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف (فصیح) عربی ہے۔

يُلْحِدُوْنَ: وہ توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ حق سے پھرتے ہیں۔ وہ نسبت کرتے ہیں۔ اِلْحَادٌ سے مضارع۔

اَعْجَمِيٌّ: عجمی۔ غیر عرب۔

تشریح: تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ کافر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہ تو اللہ کا کلام ہے اور نہ کوئی فرشتہ اس کو لے کر نازل ہوا بلکہ محمد ﷺ کو قرآن تو ایک آدمی سکھاتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جس شخص کے بارے میں مشرکین یہ کہتے تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید سکھاتا ہے اس کی تعیین میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مکہ میں ایک عیسائی عجمی غلام تھا جو لوہار تھا اور اس کا نام بلعام تھا۔ آپ اس کے پاس آتے جاتے تھے۔ اس لئے مشرکوں نے اس کے بارے میں مشہور کر دیا کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے۔ عکرمہؒ نے کہا کہ

بنی مغیرہ کا حبشی تھا ایک غلام جبر تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کو قرآن سکھاتے تھے۔ قریش نے حبشی کی طرف منسوب کر دیا کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے۔ عبداللہ بن مسلم حضرمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دو نصرانی غلام تھے جو یمن کے رہنے والے تھے ان میں سے ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام جبر تھا۔ یسار کی کنیت ابو فکیہہ تھی دونوں تلواریں بنایا کرتے تھے اور انجیل پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ ان کی طرف سے گزرتے تو آپ وہاں ٹھہر کر ان کو انجیل پڑھتے ہوئے سنتے۔ ان پر مشرکوں نے کہا کہ آپ ان سے سیکھتے ہیں۔ یہ دونوں صحیح عربی بولنے پر بھی قادر نہ تھے اور ٹوٹی پھوٹی زبان میں بہت مشکل سے اپنا مطلب ادا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جس شخص کی طرف یہ منکرین نسبت کرتے ہیں کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے وہ تو عجمی آدمی ہے۔ وہ تو خود عربی زبان میں گفتگو بھی نہیں کر سکتا وہ کسی کو کیا سکھائے گا۔ قرآن تو نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے کوئی عجمی اس کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے۔ اگر مشرکوں کو ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ ایسا بہتان کبھی نہ لگاتے جس پر کوئی بیوقوف آدمی بھی یقین نہ کرے۔ (روح المعانی ۲۲۳/۱۴، مظہری ۳۰۳/۵)

منکرین کا انجام

۱۰۴، ۱۰۵۔ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۙ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ○

بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ بھی ان کو ہدایت نہیں دیتا اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ بیشک افترا کرنے والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور (در حقیقت) وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

تشریح: بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور واضح دلائل کے باوجود ان کی تصدیق نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو دنیا میں سیدھا راستہ نہیں دکھاتا اور نہ ان کو دین حق کی توفیق دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں نہایت دردناک عذاب دیا جائے گا۔ بیشک آپ اللہ پر جھوٹ اور افترا باندھنے والے نہیں بلکہ مفتری اور جھوٹ بولنے والے وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ حقیقت میں یہی لوگ جھوٹے اور کاذب ہیں۔ روم کے بادشاہ ہرقل نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے (آپ کے اسلام لانے سے قبل) بہت سے سوال کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ نبوت کے دعوے سے پہلے بھی تم نے ان کا جھوٹ بھی دیکھا ہے۔ ابو سفیان نے جواب دیا کہ کبھی نہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا کہ جس شخص نے دنیوی معاملات میں لوگوں کے بارے میں کبھی جھوٹ کی گندگی سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کیا ہو وہ خدا پر جھوٹ کیسے باندھ سکتا ہے۔ (بخاری ۱/ ۲)

مرتد کا انجام

۱۰۶۔۱۰۹۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے، سوائے اس کے کہ جس پر زبردستی کی گئی ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ جو دل کھول کر کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب

ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا اور یہ کہ اللہ (ایسی) کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور یہی لوگ (انجام سے) غافل ہیں۔ ظاہر ہے آخرت میں (بھی) یہی لوگ خسارہ میں رہیں گے۔

اُکرِہَ۔ اس پر جبر کیا گیا۔ اس پر زبردستی کی گئی۔ اکراہٌ سے ماضی مجہول۔

طَبَعَ۔ اس نے مہر کی۔ اس نے بندش لگائی۔ طَبعٌ سے ماضی۔

جَرَمَ: شک۔ شبہ

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول عمار بن یاسرؓ کے حق میں ہوا۔ مشرکوں نے عمارؓ کو، ان کے باپ یاسرؓ کو، ان کی ماں سمیہؓ کو اور صہیبؓ، بلالؓ، خبابؓ و سالمؓ کو پکڑ کر سخت ترین جسمانی دکھ دیئے۔ حضرت سمیہؓ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا (ایک ٹانگ ایک طرف سے اور دوسری ٹانگ دوسری طرف سے) اور شرمگاہ میں ایک چھوٹا نیزہ مار دیا۔ حضرت یاسرؓ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اسلام میں سب سے پہلے یہی دونوں شہید ہوئے۔ رہے عمارؓ، تو انہوں نے مجبوراً زبان سے وہ بات کہہ دی جو مشرک چاہتے تھے۔ مگر ان کے دل کو یہ گوارا نہ تھا۔ کسی نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع کر دی کہ عمار کافر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ عمارؓ کے اندر تو چوٹی سے قدم تک ایمان بھرا ہوا ہے۔ اس کے خون اور گوشت میں ایمان سرایت کر گیا ہے۔

پھر عمارؓ روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے عمارؓ کی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے فرمایا کیا ہوا تجھے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ دوبارہ ایسی حرکت کریں تو تم بھی ان کے لئے (یہ الفاظ) دوبارہ دہرا سکتے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۴/۲۳۷، مظہری ۵/۳۵۸)

تشریح: ان آیتوں میں مرتد کے عذاب اور اس کی سزا کا بیان ہے۔ مگر اس عذاب سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو مجبوری کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے محض زبان سے کلمۂ کفر کہہ

دے اور اس کا دل ایمان پر قائم و ثابت رہے۔ ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں۔ صحابہ کرام کے بارے میں کچھ ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بعض نے تو جان دے دی مگر زبان سے کفر کا کلمہ نہ نکالا اور عزیمت پر عمل کیا۔ بعض نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے زبان سے تو کفر کا کلمہ کہہ دیا مگر دل سے ایمان پر قائم رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد دل کھول کر اللہ کا کفر کرے اور دل سے اس پر راضی ہو جائے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہو گا اور ان کے لئے عذاب عظیم تیار ہے۔ البتہ جن لوگوں پر کفر کرنے کے لئے جبر اور زبردستی کی جائے اور وہ مجبوری کی حالت میں زبان سے تو کفریہ کلمات کہہ دیں اور دل ایمان پر ثابت و قائم ہو اور اس میں کسی قسم کا تذبذب و تردد نہ ہو تو ایسے لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں۔

جو لوگ اللہ پر ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے ان پر اللہ کا غضب اور عذاب اس لئے ہو گا کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو پسند کیا اور محبوب رکھا۔ چونکہ یہ لوگ دیدہ و دانستہ گمراہی کے راستے پر چلے اس لئے اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق نہیں دی بلکہ اس نے ایسے لوگوں کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر کر دی۔ اب یہ لوگ نہ تو حق کو حق سمجھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔ سو یہ لوگ حق سے بالکل غافل اور بے خبر ہیں۔ لامحالہ یہی لوگ آخرت میں بھی بڑے خسارے میں رہیں گے کیونکہ انہوں نے اپنی عمروں کو ضائع کر دیا اور کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو ان کو عذاب الٰہی سے بچا سکے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۲۵۵)

مغفرت و رحمت کے مستحق

۱۱۰، ۱۱۱۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے مصیبت اٹھانے
کے بعد ہجرت کی۔ پھر جہاد کیا اور (مصائب پر) صبر سے کام لیا۔ بیشک
آپ کا رب ان (اعمال) کے بعد بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔ جس
دن ہر شخص اپنے ہی لئے جھگڑتا ہوا آئے گا اور (اس دن) ہر شخص کو
اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کیا
جائے گا۔

شانِ نزول: اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایتیں ہیں مثلاً:

ابن سعدؒ نے طبقات میں عمران بن حاکم کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ایسی شدید تکلیفیں دی جاتی تھیں کہ وہ بالکل حواس باختہ ہو جاتے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں اور کیا کریں۔ یہی حال حضرت صہیب، حضرت ابو فکیہہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہم وغیرہ کا تھا۔ انہی حضرات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔
(مظہری ۵/۳۸۴)

بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول ابو جہل کے رضاعی بھائی عیاش بن ابی ربیعہ، ابو جندل بن سہیل بن عمرو، ولید بن ولید بن مغیرہ، سلمہ بن ہشام اور عبد اللہ بن اسید ثقفی رضی اللہ عنہم کے متعلق ہوا۔ مشرکوں نے ان کو سخت تکلیفیں دی تھیں۔ پھر یہ لوگ ہجرت کر کے مدینے چلے گئے۔　(روح المعانی ۲۳۰/۱۴، مظہری ۵/۳۸۴)

حسن بصریؒ اور عکرمہؒ نے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول عبد اللہ بن ابی سرح کے متعلق ہوا جو رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا۔ پھر مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اور کافروں سے جا ملا۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ عبد اللہ چونکہ حضرت عثمان بن عفان کا اخیافی (ماں شریک بھائی) تھا۔ اس لئے اس نے حضرت عثمانؓ سے پناہ کی درخواست کی۔ حضرت عثمان نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کر دی اور آپ نے اس کو پناہ دے دی۔ اس کے بعد وہ پکا مسلمان ہو گیا۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔
(روح المعانی ۲۳۰/۱۴، مظہری ۵/۳۸۴)

تشریح: گزشتہ آیتوں میں ظالمین کا انجام بیان کیا گیا۔ ان آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کے غضب اور عذاب کی بجائے اس کی رضا اور رحمت کی مستحق ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو مکہ میں ان کی قوم اسلام سے روکنے کے لئے طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا رکھتی تھی اور ان کو زنجیروں میں باندھ کر عین دوپہر کے وقت تپتے ہوئے پتھروں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیتی تھی۔ پھر ظلم و ستم سے مجبور ہو کر انہوں نے اپنا ایمان بچانے کے لئے اپنا گھر بار، مال و متاع اور اہل و عیال سب کچھ چھوڑ کر نہ صرف ہجرت کی بلکہ اللہ کی راہ میں اپنی قوم کے کافروں سے جہاد بھی کیا تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر ذلیل و خوار ہو۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اللہ کی راہ میں پیش آنے والی تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کیا اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے بخش دیا۔

اس بخشش و رحمت کا ظہور اگرچہ آدمی کی موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا تھا۔ مگر حقیقی طور پر قیامت کے دن ہوگا جب کوئی کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا۔ باپ، بیٹا، بیوی، بیٹی سب اپنی اپنی فکر میں ہوں گے۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی اور اپنی رہائی کے لئے جھوٹے سچے عذر کرے گا۔ لیکن اس کی یہ ساری عذر و معذرت بے سود ہوگی اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم و زیادتی نہ ہوگی۔

(مواہب الرحمٰن ۴۲۳، ۴۱۳ / ۱۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۵۶ / ۴)

ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ساتویں زمین سے لایا جائے گا۔ اس کی ایک ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑ کر کھینچیں گے۔ جب دوزخ لوگوں سے ایک ہزار سال کی مسافت پر رہ جائے گی تو ایک سانس کھینچے گی جس کی وجہ سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانوں بیٹھ کر عرض کرے گا۔ اے میرے مالک! میری جان (بچا دے)۔ (مظہری ۳۸۴، ۳۸۳ / ۵)

ایک بستی کی مثال

۱۱۲، ۱۱۳۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ○ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ○

اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جو امن و اطمینان سے تھی۔ اس کا رزق بھی فراغت کے ساتھ ہر طرف سے اس کے پاس آتا رہتا تھا پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے برے کاموں کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا اور ان کے پاس انہی میں کا ایک رسول (بھی) آیا مگر انہوں نے اس کو بھی جھٹلا دیا سو ان کو عذاب الٰہی نے آ پکڑا اور وہ تھے ہی ظالم۔

قریۃ: بستی، آبادی۔ یہاں اس سے مراد ایک مفروضہ بستی ہے جس کو مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسی کوئی بستی گزری بھی ہو۔ جس کا ذکر قصے کے طور پر نہیں بلکہ تنبیہ دینے کے لئے کیا ہے تاکہ اہل مکہ لوگوں کے برے انجام کا تذکرہ سن کر عبرت حاصل کریں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ قریہ سے مراد مکہ کی بستی ہے۔ (مظہری ۳۸۴، ۵)

رغدا: بڑی فراغت سے۔ خوب اچھی طرح۔ یا فراخت۔ مصدر ہے۔

تشریح: جمہور مفسرین کے نزدیک آیت کا نزول اہل مکہ کے حق میں ہوا ہے کیونکہ مکہ شہر مامون و محفوظ تھا۔ حتیٰ کہ لوگ اس کے گرد و پیش سے پکڑے جاتے تھے۔ مگر جو حرم میں داخل ہو جاتا اس کو کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔

تمام عرب آبادی کو ہر وقت دشمن کے حملے کا خطرہ رہتا تھا اور ان کے پاس غذائی

اشیاء کی قلت رہتی تھی۔ اس سے وہ زیادہ تر محفوظ رہتے تھے۔ مگر جب ان کی یہ حالت نہ
تھی، وہ ہر خطرے کی لوٹ مار اور غارت گری سے محفوظ تھے اور آسودہ حال تھے۔ ان کے پاس ہر
طرف اور ہر جگہ سے کھانے پینے کی اشیاء کھنچی چلی آتی تھیں پھر جب اس بستی کے رہنے والوں
نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے امن اور رزق کی فراوانی کو بھوک اور
خوف سے بدل دیا۔ بھوک اور خوف ان کو ہر طرف سے اس طرح لپٹ گئے جیسے لباس کا پہننے والا
اس کو ہر طرف سے ڈھانپ لیتا ہے۔ یہ سب کچھ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہوا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر بہت سے انعامات میں سے ایک عظیم انعام یہ فرمایا کہ ان
کے پاس انہی میں سے اللہ کا ایک رسول بھیجا جس کے حسب ونسب اور امانت وصداقت سے وہ
خوب واقف تھے۔ مگر انہوں نے اس رسول کو بھی جھٹلایا۔ تب ان کو بھوک اور خوف کے عذاب
نے اس حال میں آ پکڑا جب وہ ظلم ہی کر رہے تھے۔

(مواہب الرحمٰن ۲۱۵، ۲۶۲/۱۴، روح البیان ۴۴۲، ۴۴۳/۱۳)

اکلِ حلال کا حکم

۱۱۴-۱۱۷۔ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ
إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ
وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ
وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ
أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ
الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝
مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

سو اللہ نے جو تمہیں حلال اور طیب روزی دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی
نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ بیشک اللہ نے تم پر

(صرف) مردار اور خون اور سور کا گوشت حرام کیا ہے اور وہ چیز بھی
جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ پھر اگر کوئی بھوک کے
مارے بے تاب ہو جائے لیکن وہ حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو اور نہ وہ
زیادتی کرنے والا ہو (ایسی حالت میں اگر وہ ان چیزوں کو کھا بھی لے)
تو اللہ بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔ اور اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر نہ
کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ کہ (اس طرح) تم اللہ پر بہتان
باندھنے لگو۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح
نہیں پائیں گے۔ (ان افترا پردازیوں کا) تھوڑا سا فائدہ (دنیا میں) ان کو
ملے گا اور (مرنے کے بعد) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اَلدَّمَ: لہو، خون۔ جمع دِمَاءٌ۔

اُضْطُرَّ: وہ بے بس ہو گیا۔ وہ بے تاب ہو گیا۔ اِضْطِرَارٌ سے ماضی مجہول۔

عَادٍ: حد سے تجاوز کرنے والا، زیادتی کرنے والا۔ عَدْوٌ و عُدْوَانٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جمہور مفسرین کے مطابق اللہ نے یہاں اہل ایمان کو مخاطب کر کے حلال و طیب چیزوں کو کھانے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ جن لوگوں کو سابقہ آیت میں خطاب کیا تھا اس آیت میں بھی انہی کو خطاب ہے۔

پس اے مسلمانو! تم کفر و شرک سے دور رہو اور ان معاندین اور منکرین کی باتوں میں نہ آؤ۔ ہم نے جو حلال اور پاک روزی تمہیں دی ہے اسے خوب شوق سے کھاؤ پیو اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو جس کے نتیجے میں اللہ تمہیں اور زیادہ نعمتیں دے گا۔ اگر تم خالص اللہ کا بندہ بننا چاہتے ہو تو اسی کے حکموں پر چلو۔ اس نے جس چیز کو تمہارے لئے حلال کر دیا اس کو خوب ذوق و شوق سے کھاؤ اور جس چیز کو اس نے حرام قرار دے دیا اس کے قریب بھی نہ جاؤ اور اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام نہ ٹھہراؤ۔

پھر فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لئے چار چیزیں حرام کی ہیں ان کو مت کھاؤ۔ ایک مردار، دوسرے خون، تیسرے سور کا گوشت اور چوتھے وہ جانور جو غیر اللہ یعنی بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ جو

شخص بھوک اور فاقے سے مجبور و بے قرار ہو کر ان چاروں حرام چیزوں میں سے بقدر حاجت (اپنی جان بچانے کے لئے) کھالے بشرطیکہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور سرکشی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

کسی شرعی سند کے بغیر کسی چیز کے بارے میں بغیر سوچے سمجھے یہ کہہ دینا کہ یہ حلال ہے یا حرام بڑی سخت جسارت اور کذب و افترا ہے۔ حلال و حرام تو وہی ہے جسے اللہ نے حلال یا حرام کیا ہے۔ اگر کوئی شخص محض اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتا ہے اور پھر اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتا ہے تو حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہ پائیں گے۔ نہ دنیا میں نہ دین میں۔ یہ لوگ تھوڑے دن اور دنیا کے مزے اڑالیں۔ اس کے بعد آخرت میں تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ (مواہب الرحمٰن ۲۱۹، ۲۲۲/ ۱۴، حقانی ۸۳ تا ۱/ ۱)

یہود پر حرام کی گئی اشیا کا ذکر

۱۱۸، ۱۱۹۔ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ○

اور ہم نے (صرف) یہودیوں پر وہ چیزیں حرام کی تھیں جو ہم اس سے پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ پھر بے شک جو لوگ جہالت کی بنا پر برے کام کرتے رہے پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کرلی اور انہوں نے (اپنی) اصلاح کرلی تو یقیناً اس کے بعد آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا (اور) بڑا رحمت کرنے والا ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے جو پاکیزہ چیزیں یہود کی سرکشی کی وجہ سے سزا کے طور پر ان پر حرام کر دی تھیں وہ ہم آپ کو پہلے بتا چکے ہیں۔ سورۂ انعام کی آیت وعلی الذین هادوا حرمنا كل ذي ظفر (آیت ۱۴۶) میں ان حرام چیزوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ یعنی یہود کی شرارتوں کی وجہ سے ہم نے ان پر تمام ناخن والے جانور جن کی انگلیاں کٹی ہوئی نہ ہوں جدا جدا نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ اور مرغابی حرام کر دیئے تھے نیز گائے اور بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی سوائے اس چربی کے جو ان جانوروں کی پشت پر لگی ہوئی ہو یا ان کی آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا ان کی ہڈیوں سے لگی ہوئی ہو۔ یہ چیزیں اپنی ذات میں حلال و طیب ہیں۔ لیکن یہود پر سختی کر کے ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ناانصاف تھے۔ ان کے ظلم و عدوان اور سرکشی کی وجہ سے سزا کے طور پر پاکیزہ اور حلال چیزیں بھی ہم نے ان کے لئے حرام کر دی تھیں تاکہ وہ اپنی بداعمالیوں سے تائب ہو جائیں۔

بلاشبہ جن لوگوں نے ناسمجھی اور نادانی سے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال و احوال کی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ اس توبہ اور اصلاح کے بعد ان کا قصور معاف کرنے والا اور ان پر رحمت و مہربانی کرنے والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف

۱۲۰ تا ۱۲۳۔ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

ترجمہ: ابراہیم (علیہ السلام) بڑے پیشوا تھے۔ اللہ کے بڑے فرماں بردار

اور یکسو تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اس کی نعمتوں کے بڑے
شکر گزار تھے۔ اللہ نے ان کو منتخب کر لیا تھا اور ان کو سیدھے راستے پر
ڈال دیا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی تھی اور وہ آخرت میں
بھی صالحین میں سے ہوں گے۔ (اے نبی ﷺ) پھر ہم نے آپ کی
طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے طریقے کی پیروی کریں جو بالکل
یکسو تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

تشریح: ان آیتوں میں امام حنفاء، والد انبیاء، خلیل خدا، رسول جل وعلا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چند اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ **اُمَّةً:** امام جس کی اقتدا کی جائے۔ صاحب قاموس نے امت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ وہ شخص جس میں ہر طرح کی اچھائی اور خوبی ہو۔ قاموس ہی نے امت کے ایک معنی یہ بیان کئے کہ جو شخص تمام ادیان کی مخالفت کرتے ہوئے دین حق کو اختیار کرے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس زمانے کے اعتبار سے ان کے انفرادی ایمان کی وجہ سے اُمَّةً کہا گیا یعنی وہ اپنے زمانے میں تنہا موحد مومن تھے۔ باقی تمام لوگ اس وقت کافر تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کے اندر اتنے فضائل اور محاسن جمع تھے کہ ان کا متعدد لوگوں میں پایا جانا بھی دشوار ہے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (اپنی بیوی) حضرت سارہ سے کہا کہ آج روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن نہیں۔ (روح المعانی ۲۳۹/ ۱۴، مظہری ۳۸۷/ ۵)

۲۔ **قَانِتًا:** اللہ کا طاعت گزار، اللہ کا فرماں بردار یعنی حضرت ابراہیم اللہ کے احکام پر چلنے والے تھے۔ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے والے نہ تھے۔

۳۔ **حَنِيفًا:** ہر قسم کے شرک سے ہٹ کر خالص توحید کی طرف آ جانے والا۔ باطل

و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے لوگوں کو اسلام کی دعوت پیش کی جائے۔

۲۔ موعظۃ الحسنۃ: مؤثر، رقت انگیز نصیحتوں، نرم خوئی، اخلاص، ہمدردی، شفقت اور حسن اخلاق سے نہایت خوبصورت اور معتدل پیرائے میں نصیحت کی جائے۔ اس سے اکثر پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں۔ لوگ ترغیب وترہیب کے مضامین سن کر بے تابی کے ساتھ دین حق کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

۳۔ جادلھم بالتی ھی احسن: اگر بحث ومباحثے کی نوبت آجائے تو بہترین طریقے سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو، ایسی دل آزار باتیں نہ کرو جن سے قضیہ بڑھے اور معاملہ طول کھینچے۔ بحث کا مقصد خالص اللہ کے لئے معاملے کو سمجھانا اور اللہ کا کلمہ بلند کرنا ہو۔

پھر فرمایا کہ آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ دین ہے۔ آپ کو اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور کس نے رد کیا۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون حسن موعظت اور حسن مجادلت کے باوجود حق سے دور رہا اور کس نے حق وہدایت کو قبول کیا۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا وسزا دے گا۔

اگر تبلیغ دین کی راہ میں تمہیں سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور تم بدلہ لینے پر بھی قادر ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف پہنچی ہے اور عدل وانصاف کی حد سے تجاوز نہ کرو اور اگر تم صبر کرو اور بدلہ نہ لو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔

کفار کی طرف سے آپ کو جو ایذا پہنچے، آپ اس پر صبر کیجئے اور مصائب ومظالم پر صبر کرنا آسان نہیں بلکہ اللہ ہی کی مدد سے مصائب پر صبر کرنا آسان ہوتا ہے۔ آپ ان کی مخالفت اور ان کے مکر وفریب سے تنگدل نہ ہوں۔ یہ لوگ نہ تو آپ کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ اسلام کا۔ جو شخص جس قدر اللہ سے ڈر کر تقویٰ وپرہیزگاری اور نیکی اختیار کرتا ہے اسی قدر اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

(مظہری ۶/۸۹، ۹۰ / ۸ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۲۰۰ / ۴)

ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف، مریم، طٰہٰ اور الانبیاء سب سے پہلی، سب سے بہتر اور بڑی فضیلت والی ہیں۔ (روح المعانی ۱۵/۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی تو روزے (نفلی) اس طرح (لگاتار) رکھتے کہ ہم اپنے دل میں کہتے کہ آپ (پورا مہینہ روزے رکھیں گے) افطار نہیں کریں گے اور کبھی بالکل ہی نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم دل میں سوچتے کہ آپ (اس مہینے میں) روزے نہیں رکھیں گے اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر پڑھا کرتے تھے۔ (مسند احمد ۱۰۰/۶، ۱۸۹/۶)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: ابتداء میں سفر معراج کے اس حصے کا بیان ہے جو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک براق پر ہوا۔ پھر حضرت موسیٰ کو توریت دینے اور بنی اسرائیل کی سرکشی کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں قرآن مجید کی فضیلت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قدرت الٰہی کی دو نشانیوں کے بیان کے بعد بتایا گیا ہے کہ آدمی خواہ مومن ہو یا کافر اس کا نیک و بد عمل اس کے گلے کا ہار بنا دیا گیا ہے۔ پھر بستیوں کی تباہی کے اسباب کا بیان ہے۔ آخر میں طالب دنیا کا انجام اور مومنوں کا انعام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: والدین کے ساتھ حسن سلوک، قرابت داروں کے حقوق اور مال خرچ کرنے میں میانہ روی کی تاکید ہے۔

رکوع ۴: چند ممنوعہ امور کا بیان اور آخر میں مشرکین کی ایک بڑی گستاخی مذکور ہے۔

رکوع ۵: توحید کی تاکید اور شرک کی تردید اور پھر مشرکین کی ازلی گمراہی کے پردوں کا بیان ہے۔ آخر میں مشرکین کا حیات اخروی پر تعجب کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۶: مسلمانوں کو نصیحت اور مشرکین کے باطل معبودوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ پھر مشرکین کی فرمائشوں کا بیان ہے۔ آخر میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے۔

رکوع ۷ سجدہ میں مشرکین کی ضد اور آدم و ابلیس کا واقعہ اور شیطان اور اس کے متبعین کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ پھر بنی آدم کی دیگر تمام مخلوق پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۸ قیامت کے روز لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیئے جانے کا بیان ہے۔ پھر مشرکین مکہ کی مخالفت اور کفار کی عداوت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۹ نماز قائم کرنے کی تاکید، غلبہ حق کی پیش گوئی اور انسانی فطرت کا بیان ہے۔

رکوع ۱۰ روح کی حقیقت، اعجاز قرآن اور مشرکین کے شبہات کا بیان ہے۔

رکوع ۱۱ کافروں کو عذاب کی تہدید اور ان کے انجام کا بیان ہے۔ پھر حیات بعد الممات کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔

رکوع ۱۲ حضرت موسیٰ کے نو معجزے، قرآن کا حق ہونا اور پھر قرآن کی تاثیر بیان کی گئی ہے۔ آخر میں اللہ کی حمد و ثنا کا بیان ہے۔

واقعۂ اسرا

۱۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اس کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہی اللہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

سُبْحٰن: وہ پاک ہے۔ یہ اسم مصدر ہے بمعنی تسبیح اور تسبیح کے معنی ہیں کسی کو پاک جاننا، پاکی کا اقرار کرنا۔ یہاں کلام کے شروع میں لانے سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں۔ دوسرے [illegible] کے

عیب و نقص اور عجز سے پاک ہے۔ اس کو ایک رات میں اپنے بندے کا مکے سے بیت المقدس لے جانا کچھ مشکل نہیں۔ وہ قادر مطلق اور ہر چیز کا خالق ہے۔

اَسْرٰی: وہ رات کو لے کر گیا۔ اِسْرَاءٌ سے ماضی۔ اس آیت میں اسریٰ کے بعد لَيْلًا کو نکرہ لا کر یہ بتا دیا گیا کہ اس واقعے میں تمام رات صرف نہیں ہوئی بلکہ صرف رات کا کچھ حصہ صرف ہوا۔

بِعَبْدِهٖ: اپنے بندے کو۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں بِعَبْدِهٖ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ یہاں اس لفظ میں ایک خاص محبوبیت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے بارے میں خود یہ فرمائے کہ یہ میرا بندہ ہے تو کسی بشر کا اس سے بڑا کوئی اور اعزاز نہیں ہو سکتا۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۲۶، ۵)

اَقْصٰی: انتہائی، آخری، پرے کنارے کی۔ اس زمانے میں مسجد الحرام سے بیت المقدس تک کوئی اور مسجد نہ تھی اور اس سے آگے بھی کوئی مسجد نہ تھی۔ اس لئے اس کو مسجد اقصیٰ کہا گیا۔ ایک رات میں مسجد اقصیٰ تک پہنچنے پر قریش کو تعجب ہوا کیونکہ مسجد اقصیٰ بہت دور تھی۔ ان کے خیال میں اتنی طویل مسافت کر کے ایک ہی رات میں واپس آ جانا محال تھا۔

تشریح: اس آیت میں واقعہ معراج کا بیان ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص اعزاز اور امتیازی معجزہ ہے۔ پہلے آپ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے اور اسی کو اسرا کہتے ہیں۔ یہ سفر براق پر ہوا۔ پھر مسجد اقصیٰ سے آپ کو ساتوں آسمانوں پر اور سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ اس سفر کا نام معراج ہے اور اس کا بیان سورۂ نجم کی آیات ۱۳، ۱۸ میں ہے۔ معراج کے معنی سیڑھی کے ہیں۔ مسجد اقصیٰ سے آسمان پر جانے کے لئے پہلے آپ کو سیڑھی کے ذریعہ پہلے آسمان پر لے جایا گیا۔ اس کے بعد آپ باقی آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ اسرا اور معراج نص قطعی اور احادیث متواترہ سے ثابت ہیں۔

بیت المقدس ایسی جگہ ہے جس کے ماحول کو اللہ تعالیٰ نے برکت والا بنا دیا ہے اور اس میں بکثرت دریا، نہریں، درخت اور پھل پیدا کر دیئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو مسجد الحرام

لَتَعْلُنَّ: اور تم ضرور سرکشی دکھاؤ گے۔ عُلُوٌّ سے مضارع۔

عُلُوًّا: اللہ کی اطاعت سے سرکشی کرنا اور لوگوں پر ظلم کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے والوں کے برے انجام کو بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ جو شخص یا قوم اللہ سے باغی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں اس کے دشمنوں کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ یہاں دو واقعات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشگوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل سرزمین شام میں دو مرتبہ فتنہ و فساد برپا کریں گے، حدود شرعیہ کو پامال اور احکام توریت کی خلاف ورزی کریں گے اور لوگوں پر ظلم و ستم ڈھائیں گے۔ دونوں مرتبہ یہ لوگ سخت ترین ذلت و خواری اور آفات و مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔

پہلی سرکشی کا انجام

۵۔ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ○ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ○ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ

پھر جب ان میں سے پہلی (سرکشی) کا موقع آیا تو ہم نے تم (کی سرکشی) پر اپنے بندے مسلط کر دیئے جو بڑے زور والے تھے سو وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے اور اللہ کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے تمہیں ان پر دوبارہ غلبہ دے دیا اور تمہیں مال اور اولاد سے قوت دی اور تمہیں بڑی جمعیت والا بنا دیا۔ اگر تم نے بھلائی کی تو

بنا دیا ہے۔ (مظہری ۵/۴۱۹)

مذکورہ واقعات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ فیصلہ فرما دیا کہ جب تک وہ اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کرتے رہیں گے۔ دین و دنیا میں کامیاب رہیں گے۔ جب بھی وہ دین سے انحراف کریں گے ذلیل و خوار ہوں گے اور دشمنوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک ضابطہ بیان فرما دیا وان عدتم عدنا۔ یعنی اگر تم پھر نافرمانی اور سرکشی کرو گے تو ہم بھی تمہیں اسی طرح سزا اور عذاب دیں گے۔ یہ ضابطہ قیامت تک کے لئے ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۴۴۸، ۴۴۳)

قرآن کی فضیلت

۱۰۹۔　اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ۝ وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝

بیشک یہ قرآن ایسا راستہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں خوشخبری سناتا ہے کہ بیشک ان کے لئے (اللہ کے ہاں) بہت بڑا اجر ہے اور یہ کہ جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور انسان (اللہ سے) برائی بھی اسی طرح مانگنے لگتا ہے جس طرح وہ بھلائی مانگتا ہے اور انسان تو ہے ہی بہت جلد باز۔

اَقْوَمُ:　سب سے سیدھا۔ قِیَامٌ سے اسم تفضیل۔

اَعْتَدْنَا:　ہم نے تیار کیا۔ اِعْتَادٌ سے ماضی۔

السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ○

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا۔ سو رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا کر دیا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنا دیا تاکہ تم اپنے رب کے فضل (روزی) کو تلاش کرو اور تاکہ تمہیں برسوں کی گنتی اور حساب معلوم ہو جائے اور ہم نے ہر چیز کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

فَمَحَوْنَا: پس ہم نے محو کر دیا، پس ہم نے مٹا دی، مَحْوٌ سے ماضی۔

مُبْصِرَةً: دکھانے والی، روشن کرنے والی، یہ اسم فاعل ہے مفعول کے معنی میں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے دو نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ ایک دن، دوسری رات۔ دن کو روشن اور رات کو تاریک بنایا۔ دن کو تلاش معاش کے لئے بنایا۔ لوگ اس میں اپنے کام کاج کرتے ہیں۔ صنعت و حرفت اور سیر و سفر کرتے ہیں۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے آرام و سکون کے لئے بنایا تاکہ دن کو کام کاج کرنے والے تھکے ہارے لوگ آرام و سکون کے لئے سو سکیں اور صبح کو تازہ دم ہو کر اٹھیں اور دوبارہ اپنے کام کاج میں لگ جائیں۔ دونوں ایک کے بعد ایک باری باری آتے ہیں۔ یہ اس لئے کیا تاکہ لوگ دنوں، ہفتوں، مہینوں اور برسوں کی گنتی معلوم کر سکیں تاکہ لین دین اور دوسرے معاملات میں اور عبادت کے کاموں میں سہولت ہو اور ہم نے تمہارے لئے دین و دنیا کی ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ واضح طور پر بیان کر دیا۔ (ابن کثیر ۲۶،۲۷/۳)

نامۂ اعمال

۱۳، ۱۴۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ○ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ○

اور ہم نے ہر آدمی کے عمل کو اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے اور قیامت
کے دن ہم اس (نامہ اعمال) کو کتاب بنا کر نکال لیں گے جس کو وہ کھلی
ہوئی پائے گا (اور ہم اس سے کہیں گے کہ) اپنی کتاب (نامہ اعمال)
پڑھ۔ آج اپنا حساب لینے کے لئے تو ہی کافی ہے۔

اَلْزَمْنٰهُ: ہم نے اس کے لئے لازم کر دیا، ہم نے اس کو لگا دیا۔ اِلْزَامٌ سے ماضی۔

طٰٓئِرَهٗ: اس کی نحوست، اس کی بری قسمت، واحد طَیْرٌ۔

عُنُقِهٖ: اس کی گردن، جمع اَعْنَاقٌ۔

يَلْقٰهُ: وہ اس کو دیکھے گا، وہ اس کو پائے گا۔ لِقَیٌ سے مضارع۔

مَنْشُوْرًا: کھلا ہوا، پھیلا ہوا۔ نَشْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: گزشتہ آیت میں زمانے کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں اس کی آنے والی حالت کا بیان ہے کہ ہر آدمی خواہ وہ مومن ہو یا کافر اس کے نیک و بد عمل کو اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے۔ انسان جہاں جاتا ہے اس کا عمل اور مقدر اس کے ساتھ رہتا ہے۔ گویا اللہ نے جو چیز اس کے لئے مقدر کر دی وہ اس کو لا کر پہنچے گی۔ قیامت کے روز ہم اس کے گلے کے ہار کو نامہ اعمال کی شکل میں ظاہر کریں گے جس میں اس کے تمام نیک و بد احوال درج ہوں گے پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور دیکھ لے کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور خود ہی فیصلہ کر لے کہ تو کس چیز کا مستحق ہے۔ اس میں تیرے تمام عمر کے اعمال درج ہیں۔ آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝ (سورۂ قیامہ آیت ۱۳)

اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے پچھلے اعمال سے آگاہ کر دیا جائے گا۔

ابن جریر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص دنیا میں پڑھا ہوا نہیں ہو گا، قیامت کے روز وہ بھی اپنا اعمال نامہ پڑھ لے گا۔

اصبہانی نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

آدمی کے سامنے اس کا اعمال نامہ کھلا ہوا لایا جائے گا تو وہ پڑھ کر کہے گا کہ میں نے فلاں فلاں نیکیاں کی تھیں وہ اس میں درج نہیں ہیں۔ اللہ فرمائے گا کہ چونکہ تو لوگوں کی غیبت کرتا تھا اس لئے میں نے وہ تیری نیکیاں مٹا دیں۔ (ابن کثیر ۲۷/۳، ۲۸/۳، مظہری ۲۲۰/۵، ۲۲۱/۵)

اپنی کرنی آپ بھرنی

۱۵۔ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

جو کوئی ہدایت پر چلتا ہے تو وہ اپنے ہی لئے ہدایت پر چلتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوا تو وہ اپنے ہی (نقصان کے) لئے گمراہ ہوا اور کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم کسی کو سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر ایک کو ہدایت کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ دنیا میں کسی شخص کا سیدھے راستے پر چلنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کرنا خود اسی کے لئے فائدہ مند ہے۔ اسی طرح گمراہ ہونا حق کا راستہ چھوڑ کر نافرمانوں کے طریقے پر چلنا بھی خود اسی کے لئے نقصان دہ ہے۔ کسی کی گمراہی کا وبال دوسرے پر نہیں پڑے گا اور نہ کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا۔ ہر شخص کو اپنے اپنے گناہوں کا بار اٹھانا ہوگا۔

پھر فرمایا کہ ہم کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک کہ ان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ان کے پاس اپنا کوئی رسول نہ بھیج دیں جو ان کو سیدھا اور روشن حق کا راستہ دکھا دے۔ اگر دعوت و تبلیغ دین کے بعد بھی لوگ کفر و معصیت اور فسق و فجور سے باز نہ آئیں اور حد سے بڑھ جائیں تب ان پر عذاب نازل کیا جاتا ہے۔

لہٰذا تم ان سے عبرت پکڑو۔ اللہ تعالیٰ پر کسی بندے کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ اچھا یا برا، کھلا یا چھپا ہو اسب اس پر ظاہر ہے۔ وہ کسی کو بے قصور سزا نہیں دیتا بلکہ ہر ایک کو اس کے گناہ دیکھ کر ان کے مطابق سزا دیتا ہے۔ (حقانی ۹۵، ۱۰، مواہب الرحمٰن ۱۵/۹۵،۲۳)

طالبِ دنیا کا انجام اور مومنین کا انعام

۱۸ تا ۲۰۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○

جو شخص دنیا (کے نفع) کا ارادہ کرتا ہے تو ہم دنیا میں سے بھی جس کو جتنا دینا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ وہ اس میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہو گا اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اس کے لئے جیسی کوشش کرنی چاہئے ویسی کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو ایسے ہی لوگوں کی سعی مقبول ہو گی۔ ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔ ان (طالبِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبِ آخرت) کی بھی اپنی عنایت سے اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے۔

الْعَاجِلَة: جلد ملنے والی چیز، یہاں دنیا کی خوشحالی مراد ہے، عَجَلٌ و عَجَلَةٌ سے اسم فاعل۔

مَدْحُوْرًا: مردود کیا ہوا، رحمت سے دور کیا ہوا۔ دَحْرٌ و دُحُوْرٌ سے اسم مفعول۔

مَحْظُوْرًا: بند کی ہوئی، روکی ہوئی۔ حَظْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: جو شخص صرف دنیا کو طلب کرتا ہے اور آخرت پر یقین نہیں رکھتا تو ضروری نہیں کہ اس کی ہر چاہت پوری ہو جائے بلکہ ہم جس کے لئے مناسب سمجھتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں اس کو فوراً دنیا ہی میں دے دیتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ آخرت میں خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ چونکہ اس نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی اس لئے ہم نے آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم میں بنا دیا جس میں وہ ذلت و خواری کے ساتھ داخل ہوگا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو، یہ اس کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہ ہو۔ اسے وہی جمع کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

جو شخص آخرت کو طلب کرتا ہے اور ایمان کی حالت میں آخرت کے لئے مناسب کوشش کرتا ہے اور امر و نہی کی پابندی اور اعمال صالحہ کرتا ہے تو ایسے لوگوں کی یہ کوشش اللہ کے ہاں قبول ہوگی۔ ان کو ان کے اعمال صالحہ کا پورا پورا اجر و ثواب دیا جائے گا۔ ہر ایک کو خواہ وہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت۔ ہم اپنی عطا سے بڑھاتے رہتے ہیں۔ وہ ایسا حاکم عادل ہے جو کبھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ سب کا رب ہے کافر کا بھی اور مومن کا بھی۔ کوئی بھی فریق اس کی دین سے محروم نہیں۔ اس کی نعمتیں عام ہیں۔

(مظہری ۶/۲۹، ۳۰۔ ۳۳ ۵، مواہب الرحمٰن ۱۵، ۶۸،۶۹)

آخرت کے درجات

۲۱، ۲۲۔ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ○ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○

دیکھو! ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت کے تو بڑے درجے ہیں اور بڑی فضیلت ہے۔ اللہ کے ساتھ

پھر فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ کون کیسے دل سے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے۔ اگر تم دل سے نیک اور سعادت مند ہو گے اور اللہ کی طرف رجوع ہو کر اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت کرو گے تو وہ تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔ اگر نیک نیتی کے باوجود کسی وقت تنگدلی یا تنگ مزاجی سے کوئی کوتاہی ہو گئی اور پھر توبہ کر لی تو اللہ بہت بخشنے والا ہے۔ (حقانی ۱/۵۹۷)

قرابت داروں کے حقوق

۲۶-۲۸۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ○ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ○

اور اہل قرابت اور محتاج اور مسافر کا حق ادا کرتے رہنا اور (مال کو) فضول نہ اڑانا۔ بلاشبہ فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اگر تمہیں اپنے پروردگار کی طرف سے رحمت (فراخی) کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو ان (حاجت مندوں) سے پہلو تہی کرنا پڑے تو ان سے نرم بات کہنا۔

تُبَذِّرْ: تم فضول خرچی کرتے ہو، تم بیجا خرچ کرتے ہو، تَبْذِیْرٌ سے مضارع۔

تُعْرِضَنَّ: تو ضرور اعراض کرے گا، تو ضرور منہ پھیرے گا، اِعْرَاضٌ سے مضارع۔

اِبْتِغَآءَ: چاہنا، تلاش کرنا مصدر ہے۔

مَیْسُوْرًا: نرمی، آسانی، یُسْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کے حکم کے بعد ان آیتوں میں قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ قرابت دار خواہ ماں کی جانب سے

تبذیر ہے۔ (روح المعانی ۱۵/۶۳)

جب تمہارے پاس اللہ کی راہ میں دینے کے لئے کچھ نہ ہو اور تمہیں اپنے رب کی طرف سے رزق آنے کی امید ہو اور اس رزق کے انتظار میں ان کی طرف سے رخ بھی پھیرنا پڑے تو ان سے نرمی کے ساتھ معذرت کرو۔ جب تم ان پر رحم کرو گے اور ان کے ساتھ نرمی سے بات کرو گے تو اللہ بھی تم پر رحم فرمائے گا۔

خرچ میں میانہ روی

۲۹، ۳۰۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ○ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ إِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ○

اور تو اپنے ہاتھ کو سکیڑ کر گردن میں نہ باندھ اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو ملامت زدہ اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہے۔ (اے نبی!) بیشک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور وہی تنگی کر دیتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے (اور ان کے حال کو) دیکھ رہا ہے۔

مَغْلُوْلَةً : بندھی ہوئی، بخیل، غَلٌّ سے اسم مفعول۔

عُنُقِكَ : تیری گردن جمع اَعْنَاقٌ۔

تَبْسُطْهَا : تو اس کو کشادہ کر دے، تو اس کو کھول دے، بَسْطٌ سے مضارع۔

مَحْسُوْرًا : پچھتایا ہوا۔ حسرت زدہ۔ عاجز۔ حَسْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: یہاں مال خرچ کرنے میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید ہے کہ نہ تو انتہائی بخل اور کنجوسی کی وجہ سے اپنا ہاتھ بالکل روک لو گویا کہ وہ گردن سے بندھا ہوا ہے، کسی کو کچھ دینے کے لئے کھلتا ہی نہیں اور نہ ہاتھ کو اتنا کھول دو کہ جوش میں آکر سب کچھ دے دو اور

پھر خالی ہاتھ ہو کر گھر میں بیٹھ رہو۔

بخیل بخل کی وجہ سے انسان بدنام ہو جاتا ہے اور لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ ہر ایک اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور جو حد سے زیادہ خرچ کر دیتا ہے وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہتا۔ وہ ضعیف اور عاجز ہو جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا کہ تو اللہ کی راہ میں خرچ کیا کر اللہ تعالیٰ تجھے دیتا رہے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ درمیانہ خرچ رکھنے والا کبھی فقیر نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ اس تنگی اور کشادگی میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں وہ خوب جانتا اور دیکھتا ہے کہ رزق میں کشادگی کا مستحق کون ہے اور غربت و مفلسی کا مستحق کون۔ تم بندے ہو تمہیں مصلحتوں اور حکمتوں کا علم نہیں لہٰذا تمہیں جو میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے تم اس کی تعمیل کرو۔ (ابن کثیر ۳/۳۰)

اولاد کے قتل کی ممانعت

۳۱۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝

اور مفلسی کے ڈر سے تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم ان کو رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بیشک ان کا قتل کرنا بڑی خطا (گناہ) ہے۔

اِمْلَاق: افلاس، ناداری۔ تنگدستی۔ مصدر ہے۔

خِطْاً: خطا، گناہ، چوک۔ مصدر ہے۔

تشریح: اہل جاہلیت کی ایک عام عادت تھی کہ وہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا کرتے تھے۔ ایک تو اس خیال سے کہ لڑکیاں کچھ کما نہیں سکتیں جبکہ لڑکے لوٹ مار کر کے بھی

کچھ نہ کچھ مال حاصل کر لیتے تھے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ جب وہ بڑی ہوں گی تو خاندان والے مفلسی کی بنا پر اس لڑکی سے نکاح نہیں کریں گے اس لئے اس کا نکاح خاندان سے باہر کے لوگوں میں کرنا پڑے گا۔ جو ان کے نزدیک بڑی عار کی بات تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو افلاس و تنگدستی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ جہاں تک ان کے رزق کا تعلق ہے تو تمہیں اس کے لئے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان کی روزی تمہارے ذمے نہیں۔ سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے۔ تمہیں بھی وہی روزی دیتا ہے اور تمہارے رزق میں کمی کئے بغیر ان کے رزق کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ ہی نے لیا ہوا ہے۔ لہٰذا بھوک اور افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کیا کرو۔ ان کا قتل جرم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے۔ سو تم اس سے بچتے رہو۔

(روح المعانی ۲۶، ۲۷/۱۵، حقانی ۱۵۹/۳)

صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے۔ میں نے کہا کہ اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کرے۔ (ابن کثیر ۳۸/۳)

زنا کی ممانعت

۳۲۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝

اور تم زنا کے قریب (بھی) نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی (کا کام) ہے اور وہ بری راہ ہے۔

تشریح: زنا کرنا تو بہت دور کی بات ہے تم اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی اور واضح طور پر برائی کا کام ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔ اس سے حسب و نسب میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ طرح طرح کی دشمنیاں، لڑائیاں اور جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور قتل ہوتے

تمہارا۔ لہٰذا تم اس کے پاس بھی نہ پھٹکو۔

قتلِ ناحق کی ممانعت

۳۳۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ○

اور جس جان کا قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ تم اس کو ناحق قتل نہ کرو اور جو شخص ناحق (مظلوم) قتل کیا جائے تو بیشک ہم نے اس کے وارث کو (قصاص لینے یا معاف کرنے کا) اختیار دے دیا ہے۔ سو اس کو چاہئے کہ وہ قتل کرنے (قصاص لینے) میں زیادتی نہ کرے۔ بیشک اس (وارث کے مقتول) کو مدد دی جاتی ہے۔

تشریح: جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔ مگر حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ قاتل کو قتل کی سزا میں قصاص کے طور پر قتل کیا جائے۔

۲۔ نکاح کرنے کے بعد بھی زنا کرے تو اس کو زنا کی سزا میں قتل (سنگسار) کیا جائے۔

۳۔ دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔ ان تینوں صورتوں میں انسان کی حرمت جاتی رہتی ہے۔

نسائی نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کے نزدیک (ساری) دنیا کا فنا ہو جانا مومن کے قتل سے حقیر ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ناحق قتل کر دیا جائے تو اس کے وارث کو اختیار ہے کہ وہ قاتل کو بالکل معاف کر دے یا دیت لے لے۔ قصاص لینے میں یعنی قاتل کو قتل کرنے میں اسراف نہ ہو یعنی قاتل کی قوم کے کسی اور شخص کو قتل نہ کرے، نہ قاتل کو جلا کر مارے اور نہ

اس کا مثلہ کرے، یعنی اس کے اعضاء ناک، کان وغیرہ نہ کاٹے جو اس کے وارثوں میں اشتعال کا باعث ہو۔ (روح المعانی ۲۹، ۷۰/۱۵، مظہری ۷، ۴۳۸/۵)

یتیموں کے مال سے اجتناب

۳۴۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝

اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بجز ایک احسن طریقے کے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو۔ بیشک (اللہ کے ہاں) عہد کی باز پرس ہوگی۔

تشریح: یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ البتہ تم یتیم کے مال میں ایسے طریقے سے تصرف کر سکتے ہو جو یتیم کے لئے بہتر اور مفید ہو۔ جس سے اس کے مال کی حفاظت مقصود ہو یا اس کا مقصد مال کو بڑھانے کی غرض سے تجارت میں لگانا ہو وغیرہ۔ پھر جب وہ یتیم بالغ ہو جائے اور اس میں سوجھ بوجھ پیدا ہو جائے جو صحیح تصرف کے لئے ضروری ہے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔

اگر وہ شخص جس کی پرورش میں یتیم بچے ہوں، وہ خود مالدار ہے تو اسے ان کے مال سے بالکل الگ اور دور رہنا چاہئے۔ البتہ اگر وہ غریب و محتاج ہے تو یتیم کے مال کی نگرانی کی اُجرت کے طور پر اس میں سے دستور کے موافق لے سکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ نے اپنے احکام پر عمل کرانے کا جو تم سے وعدہ لیا ہے اس کو پورا کرو اور لوگوں سے جو تم جائز معاملات کا وعدہ کرو اس کو بھی پورا کرو۔ جو شخص عہد کی پابندی نہیں کرتا اس سے ہر عہد توڑنے کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اس کو عہد شکنی کی سزا دی جائے گی۔ (ابن کثیر ۳۹، ۴۰/۳)

ناپ تول میں کمی کی ممانعت

۳۵۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○

اور جب ناپ کر دینا ہو تو پورا پیمانہ بھر دیا کرو اور صحیح ترازو سے تولو۔ (کیونکہ) یہی بہتر ہے اور (اس کا) انجام بھی اچھا ہے۔

وَاَوْفُوا: تم پورا کرو، ایفاءٌ سے امر۔

الْكَيْلَ: ناپ، پیمانہ، پیمانے سے غلہ ناپنا۔

بِالْقِسْطَاسِ: ترازو، میزان، جمع قسطاسٌ۔

تشریح: ناپ کر دیتے وقت پیمانے کو پورا بھر کر دیا کرو اور تولتے وقت صحیح ترازو سے ڈنڈی مارے بغیر تولا کرو۔ یہ پورا ناپنا اور تولنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر ناپ تول میں کمی کرو گے تو یہ دھوکہ اور خیانت ہے اس میں برکت نہیں۔ تمہارے لئے دونوں جہان کی بہتری اسی میں ہے کہ تم ناپ اور تول میں کسی قسم کی کمی اور خیانت سے بچو۔ پورا ناپنا اور تولنا دنیا میں بھی نیک نامی کا باعث ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی نہایت عمدہ ہے۔

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کے لئے سخت وعید بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ○

(مطففین، آیت ۱۔۳)

ہلاکت ہے (ناپ تول میں) کمی بیشی کرنے والوں کے لئے، وہ لوگ کہ جب ناپ کر لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

بلا تحقیق بات کہنے کی ممانعت

۳۶۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ
كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ○

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہ ہو۔ بیشک کان اور آنکھ اور
دل ان سب کی اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔

تَقْفُ: تو پیروی کر، تو پیچھے پڑ، تو عمل کر۔ قفوٌ سے مضارع۔

الفُؤاد: دل، قلب۔ جمع افئدۃ۔

تشریح: کسی شخص کے بارے میں ایسی بات نہ کہو جس کا تمہیں قطعی اور یقینی علم نہ ہو۔ آدمی کو چاہئے کہ پہلے وہ اپنے کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر بقدر کفایت تحقیق کر کے پورا اطمینان حاصل کرلے پھر اس کے بعد کسی کے بارے میں کوئی بات کہے۔ محض سنی سنائی باتوں پر سوچے سمجھے بغیر عمل نہ کرے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، کسی پر بہتان لگانا، سنی سنائی باتوں پر کسی کے درپے آزار ہو جانا، اس سے بغض و عداوت رکھنا، باپ دادا کی یا رسم و رواج کی پابندی میں خلاف شرع امور، ناحق باتوں کی حمایت کرنا وغیرہ سب داخل ہیں۔ بلاشبہ قیامت کے روز ان تمام قوتوں کے بارے میں تمہارے کانوں، آنکھوں اور دلوں سے ضرور باز پرس کی جائے گی۔ یعنی جو شخص سننے دیکھنے اور جاننے کا دعویٰ کرتا ہے ان کے اعضاء سے اس کی تصدیق طلب کی جائے گی۔ آنکھ سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کیا دیکھا تھا۔ کان سے سوال کیا جائے گا کہ اس نے کیا سنا تھا اور دل سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کیا جانا تھا۔ (حقانی ۱۰۸/۱، مظہری ۴۳۳/۵)

اکڑ کر چلنے کی ممانعت

۳۷، ۳۸۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ

اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ○

(اے رسول ﷺ) یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں اور (اے انسان) اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا ورنہ تو ملامت زدہ اور راندۂ درگاہ ہو جائے گا اور تجھے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (اے مشرکو!) کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے لئے مخصوص کر دیا ہے اور اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا ہے۔ بیشک تم بہت بڑی بات کہتے ہو

مدحورا: مردود کیا ہوا۔ رحمت سے دور کیا ہوا۔ دحر و دحور سے اسم مفعول۔

افاصفٰکم: کیا اس نے تم کو خاص کیا۔ اس نے تم کو پسند کیا۔ اصفاء سے ماضی۔

تشریح: گزشتہ آیات میں جو باتیں اور نصیحتیں کی گئی ہیں وہ اعلیٰ علم و حکمت کی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کے پاس بھیجی ہیں اور جن کو ہر عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ یہ تمام ادیان اور مذہبوں میں بھی آئی ہیں۔ بلاشبہ یہ تمام امور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال میں سراپا حکمت ہیں۔ ان کی بجا آوری ہی کو دانائی تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان احکام حکمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے حکم اور شرک کی ممانعت سے شروع فرمایا (آیت ۲۲) اور اسی پر ختم فرمایا (آیت ۳۹) جس سے مقصود یہ ہے کہ یہی حکم اول ہے اور یہی حکم آخر ہے۔ اس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو کلمہ توحید پڑھتے رہو تاکہ تمہاری زندگی اسی پر ختم ہو کیونکہ اسی پر تمام اعمال کی صحت کا مدار ہے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور تمہارا یہ حال ہوگا کہ تم اپنے آپ کو ملامت کرنے لگو گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی ساری مخلوق بھی تمہیں ملامت کرے گی اور تمہیں ہر بھلائی سے دور کر دیا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ کیا تمہارے رب نے تمہارے لئے لڑکے مخصوص کر دیئے ہیں اور اپنے لئے لڑکیاں جو تمہیں سخت ناپسند ہیں اور جن کو تم زندہ درگور کرتے ہو، بلاشبہ تمہارا یہ بہت

اللہ تعالیٰ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ تمہاری یہ بات کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں بہت ہی بڑی ہے۔ تم اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہو حالانکہ وہ واحد و یکتا اور اولاد سے بے نیاز ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۱۳، ۴۱۴/۴، مظہری ۴۴۲/۵)

توحید کی تاکید اور شرک کی تردید

۴۱-۴۴۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ۝ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۝

اور ہم نے اس قرآن میں (اہم امور کو) طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ وہ (لوگ) نصیحت حاصل کریں حالانکہ ان کو تو اس سے نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے۔ (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ وہ (مشرکین) کہتے ہیں تب تو انہوں نے عرش کے مالک تک (پہنچنے کا) کوئی راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا۔ وہ (اللہ) پاک ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے (اس کی ذات) بہت ہی بلند ہے۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے وہ سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو اور لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بیشک وہ بڑا تحمل کرنے والا (اور) بڑا ہی بخشنے والا ہے۔

نُفُوْرًا نفرت کرنا، نفرت ہونا، بھاگنا۔ مصدر ہے۔

بھی نہیں سمجھتے جو خاص انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اے نبی ﷺ ان مشرکین کے قرآن نہ سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کی دلی گمراہی کے پردے، قرآن کریم اور ان کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ قرآن کریم کے مضامین میں غور و فکر نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی دوسرا آدمی ان کو قرآن سمجھانا چاہے تو یہ اس کی بھی نہیں سنتے کیونکہ ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی گئی ہے تاکہ وہ سن نہ سکیں۔ جب آپ قرآن کریم میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے معبودوں کا ذکر نہیں کرتے تو وہ توحید کے ذکر سے نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں۔

ہم خوب جانتے ہیں کہ جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو یہ لوگ آپ کی طرف کان کیوں لگاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا مقصد قرآن کریم کی تلاوت سننا نہیں ہوتا بلکہ یہ آپ کا اور قرآن کریم کا مذاق اڑانے کے لئے آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم اس سے بھی خوب واقف ہیں جب یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم محض ایسے شخص کی اتباع کر رہے ہو جو سحر زدہ ہے۔ دیکھو ان لوگوں نے آپ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کئے ہیں۔ کوئی شاعر کہتا ہے، کوئی جادوگر، کوئی سحر زدہ، کوئی کاہن۔ ایسی بے اصل باتیں کہنے کی بنا پر یہ لوگ حق سے بھٹک گئے۔ پس اب یہ حق و ہدایت کے راستے پر نہیں آسکتے کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ (مظہری ۲۲۲،۲۲۵/۵)

حیاتِ اخروی پر تعجب

۵۲،۴۹۔ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ○ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ○ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ○ يَوْمَ

فرمایا آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا یا اس سے بھی زیادہ سخت چیز بن جاؤ پھر بھی اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کر کے اٹھائے گا۔ پہلی بار بھی جب تم کچھ بھی نہ تھے، اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا۔ لہٰذا تمہیں دوبارہ پیدا کرنا اس پر ذرا بھی مشکل نہیں۔ یہ سن کر وہ کافر تعجب یا استہزا کے طور پر اپنے سر ہلا کر کہیں گے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے اور جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے تو پھر یہ دوبارہ پیدا ہونا کب ہوگا اور اس میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ اے محمد ﷺ آپ ان کو کہہ دیجئے کہ امید ہے کہ یہ دوسری زندگی بہت ہی قریب ہے۔ بس اس کو آئی ہوئی ہی سمجھو۔

قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ تمہیں پکارے گا تو تم اللہ کی آواز کے ساتھ ہی بے اختیار اس کی حمد کرتے ہوئے زمین سے نکل پڑو گے اور حساب و کتاب کے لئے میدان حشر میں جمع ہو جاؤ گے۔ اس وقت تم خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم مدت دنیا میں رہے۔ قتادہ نے کہا کہ وہ قیامت کے مقابلے میں دنیا کی مدت کو حقیر سمجھیں گے۔

(ابن کثیر ۳/۴۴، ۵۵/۳، روح المعانی ۹۰/۹۳، ۱۵)

مسلمانوں کو نصیحت

۵۳ تا ۵۵۔ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝

اور (اے رسول ﷺ) آپ میرے بندوں کو کہہ دیجئے کہ وہ ایسی بات کیا کریں جو بہتر ہو کیونکہ شیطان لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ بلاشبہ

بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا جن کو تم معبود خیال کرتے ہو جیسے فرشتے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر وغیرہ ان میں سے کبھی کوئی تمہاری تکلیف دور نہیں کر سکتا۔ یہ تو خود اطاعت و فرماں برداری کے ذریعہ اللہ کا مقرب ترین بندہ بننے کے لئے وسیلے کے طلبگار اور اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ تم کس طرح ان کو عبادت کے لائق سمجھتے ہو۔

پھر فرمایا کہ کافروں کی ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم ان کے گناہوں کے سبب قیامت سے پہلے ہی ہلاک و برباد نہ کر دیں یا قیامت کے روز ان کو عذاب نہ دیں۔ اس میں ہماری طرف سے ذرہ بھی ظلم و زیادتی نہ ہوگی بلکہ یہ سب ان کے اپنے اعمال بد کا وبال اور اللہ کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے سرکشی کا انجام ہوگا۔ یہ سب باتیں لوح محفوظ میں درج ہیں۔
(حقانی ۱۶۳/۳، بیضاوی ۲۸/۲)

مشرکین کی فرمائشیں

۵۹۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝

اور ہم نے معجزے بھیجنا اس لئے موقوف کر دیا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہم نے (قوم) ثمود کو (ان کی فرمائش پر) اونٹنی دی تھی۔ (یعنی اونٹنی کا معجزہ دیا تھا) جو بصیرت کا ذریعہ تھی۔ سو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا اور ہم (اپنی) نشانیاں (معجزے) ڈرانے ہی کے لئے تو بھیجتے ہیں۔

النَّاقَةَ: اونٹنی جمع نوق۔

مُبْصِرَةً: دکھانے والی، واضح کرنے والی۔ اِبصار سے اسم فاعل بمعنی مفعول۔

تخویفا: خوف دلانا، ڈرانا، مصدر ہے۔

شانِ نزول: احمد، نسائی، حاکم، طبرانی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے۔ اہل مکہ نے رسول ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیجئے اور ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیجئے تاکہ ہم یہاں کھیتی باڑی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے رسول ﷺ کو بتایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کی درخواست پوری کرنے میں تامل کروں اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کا سوال پورا کر دوں۔ پھر اگر سوال پورا ہونے کے بعد ان لوگوں نے کفر کیا تو ان کو بھی اسی طرح ہلاک کر دیا جائے گا جس طرح ان سے پہلی امتوں کو ہلاک کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا۔ نہیں۔ تو ان کو تامل دے دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ (مسند احمد ۱/۲۵۸، [illegible])

تشریح: مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ سے پہلے جو انبیا گزرے ہیں ان میں سے بعض کے تابع ہوا تھی اور بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے، بعض پر من و سلویٰ اترتا تھا وغیرہ۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیجئے۔ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو بتایا کہ پچھلی امتوں میں بھی لوگوں نے انبیاء سے سوال کر کے اپنی پسند کے معجزے طلب کئے تھے اور کہا تھا کہ اگر ہماری خواہش کے مطابق معجزہ آئے گا تو ہم ایمان لے آئیں گے مگر وہ اپنی خواہش کے مطابق معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ اس لئے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ مشرکین بھی انہی لوگوں کی طرح ہیں اگر آپ چاہیں تو میں ان کی خواہش پر صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دوں گا۔ اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان کو فوراً ہلاک کر دیا جائے گا اور ہم ان کو تباہ کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم ان کو مہلت دینا چاہتے تھے۔

قوم ثمود کو دیکھو کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ معجزے کے طور پر اس خاص پتھر میں سے اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح کی دعا پر ان کا مطالبہ پورا کر دیا۔ لیکن وہ ایمان نہ لائے بلکہ وہ رسول

کو جھٹلاتے رہے اور انہوں نے اونٹنی کی بھی کونچیں کاٹ ڈالیں اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تین دن کی مہلت دی اور پھر ہلاک کر دیا۔ پھر فرمایا کہ ہم ایسے معجزات صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔ (حقانی ۲۶۴، ۳)

آپ کو تسلی

۶۰۔ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ○

اور (اے رسول، وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے رب نے ان لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے اور وہ خواب جو ہم نے آپ کو دکھایا تھا اور وہ ملعون درخت جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ ان سب کو ہم نے ان لوگوں کے لئے آزمائش بنایا اور ہم ان کو خوف دلاتے رہتے ہیں۔ سو اس سے ان کی سرکشی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

تشریح: ممکن ہے آپ کو یہ خیال ہوا ہو کہ مشرکین کو ان کی خواہش کے مطابق معجزہ نہ دکھانے پر شاید وہ تمسخر اور طعن کرنے لگیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے گھیر رکھا ہے۔ نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہے اور نہ قدرت سے۔ سب اس کے قبضے میں ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کو ان کے طعن و تشنیع کی طرف التفات کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی خواہش کے مطابق معجزہ دیکھ کر بھی آپ پر ایمان لانے والے نہیں تھے اور پھر ہماری سزا سے بچ نکلنا بھی ان کے لئے ممکن نہ ہوتا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ازلی الٰہی علم میں یہ لوگ تباہ ہو جانے کے لائق ہیں۔ لہٰذا آپ ان کی طرف سے فکرمند نہ ہوں ہم ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ شب معراج میں ہم نے آپ کو اپنی قدرت کی نشانیوں کا نظارہ اور مشاہدہ کرایا اور عجائب قدرت ہم نے آپ کو بیداری کی حالت اور اسی چشم سر کے ساتھ دکھائے وہ آپ کے لئے تو کرامت عظیم ہے اور لوگوں کے لئے آزمائش ہے دیکھیں کون مانتا ہے اور کون اس کا انکار کرتا ہے۔ واقعہ معراج کا کافروں نے تو انکار کیا ہی تھا بعض کمزور ایمان والے بھی اس وقت ایمان سے پھر گئے۔

شجرۂ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے چونکہ قرآن کریم میں آچکا تھا کہ یہ جہنمیوں کی غذا ہوگی اس لئے قریش اس کا بہت تمسخر کیا کرتے تھے۔ ان کے خیال میں آگ کے اندر کسی چیز کا ہونا بالکل محال تھا۔ اس لئے یہ بھی ان کے لئے فتنہ کا باعث ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ ہم ان کو ڈراتے ہیں اور ہمارا یہ ڈرانا بھی ان کی سرکشی میں اضافہ کرتا ہے۔ (عثمانی ۱/۳۸۰، حقانی ۳/۲۶۵)

مشرکین مکہ اور آدم و ابلیس کا واقعہ

۶۱، ۶۲۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے کہا کہ کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے بنایا۔ وہ (شیطان) کہنے لگا کہ ذرا دیکھ تو اس شخص کو جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی اگر تو نے مجھ کو قیامت تک ڈھیل دے دی تو میں بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے اس کی نسل کو اپنے قابو میں کر لوں گا۔

طِیْنًا۔ گارا، مٹی، خاک۔

لَاَحْتَنِکَنَّ: میں ضرور لگام ڈالوں گا، میں ضرور قابو میں کروں گا۔ اِحْتِنَاکٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں انسان کو ابلیس کی قدیمی عداوت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ جس طرح وہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا کھلا دشمن تھا۔ اسی طرح تمہارا بھی دشمن ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا تو ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا۔ ابلیس نے حضرت آدم کو اپنے سے کمتر سمجھ کر سجدے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے۔ حالانکہ میں اس سے کہیں افضل ہوں کیونکہ میں آگ سے بنا ہوں۔ پھر نہایت ڈھٹائی سے کہنے لگا کہ اچھا اگر تو نے اس کو مجھ پر فضیلت دے دی ہے تو میں بھی ان میں سے چند لوگوں کے سوا، اس کی اولاد کو برباد کر کے چھوڑوں گا۔ میں ان سب کو اپنے تابع کر کے ان پر اپنا تسلط قائم رکھوں گا۔

شیطان اور اس کے متبعین کا انجام

۶۳، ۶۵۔ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ○ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ○ اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ○

اللہ نے فرمایا۔ جا (تجھے مہلت ہے) ان میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو بیشک تم سب کی سزا جہنم ہے۔ (اور وہ) پوری سزا ہے۔ اور تو اپنی آواز سے، ان میں سے جس کو ڈگمگانا چاہے ڈگمگا دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے بھی چڑھا دینا اور ان کے مال اور اولاد میں بھی ان کا شریک ہو جانا اور ان سے وعدے بھی کرنا اور شیطان تو بس ان سے جھوٹے وعدے ہی کرتا ہے۔ بیشک میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی قابو نہیں چلے گا۔ (اے پیغمبر ﷺ) آپ کا رب کافی کارساز ہے۔

مَوْفُوْرًا: پورا کیا ہوا، مکمل کیا ہوا۔ وَفْرٌ سے اسم مفعول۔

وَاسْتَفْزِزْ: تو بہکا دے، تو لغزش دے، تو پریشان کر دے۔ اِسْتِفْزَازٌ سے امر۔

وَاَجْلِبْ: تو کھینچ کر لے آ، تو جمع کر لے۔ اِجْلَابٌ سے امر۔

بِخَیْلِکَ: اپنے گھوڑوں کے ساتھ۔ جمع خُیُوْلٌ واَخْیَالٌ۔

شَارِکْھُمْ: تو ان کے ساتھ شریک ہو جا۔ تو ان کے ساتھ شامل ہو جا۔ مُشَارَکَۃٌ سے امر۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی مہلت مانگنے کی درخواست منظور فرمالی اور فرمایا کہ تجھے ایک وقت معلوم تک مہلت ہے اب جو تیرا دل چاہے کر۔ ان میں سے جو لوگ تیری اتباع کریں گے تو ان کی اور تیری بدیوں کا بدلہ جہنم ہے جو تمہارے اعمال کی پوری سزا ہے۔ ان میں سے جس جس کو تو اپنی آواز یعنی گانے بجانے اور اشاروں سے بہکا سکے تو بہکا لے اور جس قدر تو ان پر اپنا تسلط جما سکتا ہے تو جما لے اور ان کے مالوں اور اولاد میں ان کا شریک ہو جا اور جیسے تیرا دل چاہے ان سے جھوٹے وعدے کر کہ جنت اور جہنم کچھ نہیں۔ شیطان جب کسی کو گناہ کی طرف بلاتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ جنت دوزخ حشر و نشر سب غلط ہے۔ جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اس لئے اس سے خوب فائدہ اٹھاؤ۔ اس طرح بہت سے لوگ شیطان کے بہکانے میں آجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف بلانے والی ہر صدا شیطانی آواز ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ کی نافرمانی میں سواری پر ہو یا پیدل وہ شیطانی لشکر میں ہے اور جو مال اور اولاد معصیت کا باعث ہوں وہ سب میں شیطان ان کا شریک ہے۔ مثلاً مال کو فضول خرچ کرنا، اچھی باتوں میں صرف کرنے سے روکنا، غلط طریقے سے مال حاصل کرنا جیسے چوری سے، رشوت سے، غصب سے، سود سے، فریب سے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ناجائز طریقے سے اولاد حاصل کرنا بھی شیطانی شرکت ہے۔ یعنی زنا سے، یا اولاد کے برے نام رکھنا، ان کے ناک کان چھیدنا، ان کے سر پر غیر اللہ کے نام کی چوٹی رکھنا وغیرہ سب شیطانی شرکت ہے۔

اس کے بعد شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا قابو نہیں

لے جائے اور تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے۔ پھر تمہیں تمہاری
ناشکری کے بدلے میں غرق کر دے۔ پھر تمہیں اس بات پر ہم سے باز
پرس کرنے والا کوئی نہ ملے۔

يُزْجِي: وہ ہنکاتا ہے۔ وہ چلاتا ہے۔ وہ اٹھاتا ہے۔ اِزْجَاءٌ سے مضارع۔

يَخْسِفَ: وہ دھنسا دے گا۔ خَسْفٌ سے مضارع۔

حَاصِبًا: پتھروں کی بارش کرنے والی تیز ہوا، سخت آندھی۔ حَصْبٌ سے اسم فاعل۔

تَارَةً: ایک بار، ایک مرتبہ۔ جمع تِیَرٌ۔

قَاصِفًا: سخت طوفان، سخت آندھی۔ قَصْفٌ سے اسم فاعل۔

تَبِيعًا: پیروی کرنے والا، مددگار، انتقام لینے والا۔ تَبَعٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے تمہاری آسانی، سہولت اور تجارت و سفر کے لئے دریاؤں میں کشتیاں چلا دیں تاکہ تم دور دراز ملکوں میں جا کر اس کا فضل و کرم اور لطف و رحم تلاش کرو۔ پھر جب دریا میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے جیسے طوفان باد و باراں کی وجہ سے کشتی ڈوب جانے کا خوف، تو اس وقت تم خلوص دل سے اللہ کی طرف جھکتے ہو اور اسی سے دعائیں کرنے لگتے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تمہیں صحیح و سالم خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم پھر خدائے برحق سے منہ موڑ لیتے ہو اور باطل معبودوں کو پوجنے لگ جاتے ہو۔ حقیقت میں انسان تو ہے ہی ناشکرا۔

پھر فرمایا کہ اگر تم سمندر میں غرق ہونے سے بچ گئے تو تمہیں مطمئن اور بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔ جس طرح ہم سمندر میں غرق کر دینے پر قادر ہیں اسی طرح خشک زمین کے اندر دھنسا دینے پر بھی قادر ہیں۔ ہمارے لئے بحر و بر سب یکساں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہم تو پتھر برسا کر بھی تمہیں ہلاک کر سکتے ہیں۔ اس وقت تمہیں نہ کوئی مددگار ملے گا اور نہ نگہبان جو تمہیں زمین میں دھنسنے سے یا پتھروں سے بچا سکے۔

اے منکرو! سمندر میں تو تم میری توحید کے قائل ہو جاتے ہو اور باہر آ کر پھر انکار کرنے لگتے ہو۔ کیا تم اس سے بالکل مطمئن اور بے خوف ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں

پھر اس سمندر کا خیال ہیں کر دے اور تم دوبارہ بحری سفر کے لئے نکل پڑو اور تیز ہواؤں کے تھپیڑے تمہاری کشتی کو ڈگمگا دیں اور آخر کار تمہارے کفر اور ناشکری کی وجہ سے تمہیں غرق کر دے پھر تمہیں کوئی نہیں ملے گا جو ہم سے تمہارا بدلہ لے اور ہم سے باز پرس کر سکے۔

تکریم آدم

۷۰۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور اس کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تمام مخلوق پر بزرگی دی۔ اس کو ایسی خصوصیات سے نوازا جو دوسری مخلوق میں نہیں پائی جاتیں اور اس کو اچھی شکل و صورت پر جملہ کمالات کے ساتھ پیدا کیا جیسا کہ ارشاد ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (التین۔ آیت ۴)

ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

اس کو حسنِ صورت، عقل و حواس اور فہم و فراست عطا فرمائی۔ نطق و گویائی اور لکھنا پڑھنا سکھایا۔ یہ واحد مخلوق ہے جو مستقیم القامت ہے۔ پیروں پر چلتی اور اپنے ہاتھوں سے کھانا کھاتی ہے۔ جبکہ دوسرے حیوانات منہ کے ذریعہ زمین سے غذا اٹھا کر کھاتے ہیں اور چوپاؤں پر چلتے ہیں۔ کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیاء سے مرکب کر کے لذیذ و مفید بنانا بھی انسان ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ تمام جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں مثلاً کچا گوشت، گھاس اور چارہ وغیرہ۔ افہام و تفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں۔ گفتگو، اشارات اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اپنے دل کی بات دوسروں تک پہنچا دینا بھی انسان ہی کی خصوصیت ہے۔ اس

کو سب سے بڑا شرف جو عطا ہوا ہے وہ عقل و فہم اور حواس کا ہے جن سے جہاز، کشتیاں وغیرہ بنا کر فضاؤں اور سمندر میں سفر کرتا ہے۔

زمین کی تمام موجودات پر اس کو تسلط عطا کیا گیا ہے۔ دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر ان سے اپنے کام لیتا ہے۔ مثلاً خشکی پر سفر کرنے کے لئے بعض جانوروں کو سواری کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ بعض سے بار برداری کا کام لیتا ہے۔ بعض کھیتی باڑی میں کام آتے ہیں۔ نیز انسانوں کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مسجودِ ملائکہ اور آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام مخلوقات کا سردار بنایا۔ (مظہری ۸۰۹، ۸۱۰/۵)

آخرت میں فرقِ مراتب

۷۱، ۷۲۔ يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝

(اور وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے) جس دن ہم ہر ایک شخص کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر جس کو اس کی کتاب (اعمال نامہ) دائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ لوگ اپنی کتاب کو پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور وہ بہت ہی بڑا گمراہ ثابت ہوگا۔

اُوْتِیَ : اس کو دیا گیا۔ اسے ملا۔ اِیْتَاءٌ سے ماضی۔

بِیَمِیْنِہٖ : اس کی دائیں طرف۔

فَتِیْلًا : کھجور کی گٹھلی کا ریشہ۔ تھوڑا، ذرا بھی، تاگہ۔

تشریح: وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہر امت اپنے نبی اور کتاب کے ساتھ بلائی جائے گی اور جو لوگ نبی کو نہیں مانتے وہ اپنے سرداروں کے ساتھ بلائے جائیں گے جن کو

وہ اپنا پیشوا اور مقتدا مانتے ہیں۔ اس کے بعد تمام آدمیوں کو ان کے اعمال نامے دے دیئے جائیں گے سو جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنے اعمال نامے کو خوشی سے بار بار پڑھے گا اور دوسروں کو دکھاتا اور پڑھواتا پھرے گا۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کے ایمان اور اعمال صالحہ کے اجر میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ جس شخص نے دنیا میں اللہ کی آیتوں، اس کی کتاب اور اس کے طریقے سے چشم پوشی کی وہ آخرت میں دنیا سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہوگا۔ (روح المعانی ۱۲۰، ۱۲۱/ ۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۲۵/ ۴)

مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ایک شخص کو بلوا کر اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس کا جسم بڑھ جائے گا، چہرہ چمکنے لگے گا، سر پر چمکتے ہوئے ہیروں کا تاج رکھ دیا جائے گا۔ وہ اپنے گروہ کی طرف بڑھے گا۔ اسے اس حال میں آتا دیکھ کر وہ سب آرزو کرنے لگیں گے کہ اے اللہ ہمیں بھی یہ عطا فرما اور ہمیں اس میں برکت دے۔ وہ آتے ہی کہے گا کہ خوش ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک کو یہی ملنا ہے۔ لیکن کافر کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اس کا جسم بڑھ جائے گا۔ اسے دیکھ کر اس کے ساتھی کہیں گے کہ اس سے خدا کی پناہ یا اس کی برائی سے پناہ۔ اے اللہ! اس کو ہمارے پاس نہ لا۔ وہ وہیں آ جائے گا۔ وہ کہیں گے کہ اے اللہ! اسے رسوا کر۔ وہ جواب دے گا کہ خدا تمہیں غارت کرے، تم میں سے ہر شخص کے لئے یہی خدائی مار ہے۔ (ابن کثیر ۵۲/ ۳)

مشرکین مکہ کی حماقت

۷۳ - ۷۵۔ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ○ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○

اور (اے رسول ﷺ) یہ لوگ (کافر) تو چاہتے تھے کہ جو وحی ہم نے

آپ کی طرف بھیجی ہے اس سے آپ کو پھسلا دیں تاکہ آپ ہم
(وحی) کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کر دیں اور اس وقت وہ
آپ کو دلی دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ کیا ہوتا
تو آپ تھوڑی سی قدر ان کی طرف جھک ہی جاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم
آپ کو زندگی میں بھی دوہرے عذاب کا اور موت کے بعد بھی دوہرے
عذاب کا مزہ چکھاتے۔ پھر ہمارے مقابلے میں آپ کو کوئی مددگار بھی
نہ ملتا۔

کَادُوْا : وہ قریب ہوئے۔ کَوْدٌ سے ماضی۔
کِدْتَ : تو نزدیک تھا۔ تو قریب تھا۔ کَوْدٌ سے ماضی۔
تَرْکَنُ : تو جھک جائے۔ تو مائل ہو جائے۔ رُکُوْنٌ سے مضارع۔
ضِعْفَ : دوگنا، دوچند۔ جمع اَضْعَافٌ

شانِ نزول: ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے ابن اسحاق کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف اور ابو جہل بن ہشام اور چند دوسرے قریشی جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کو (تعظیماً تبرکاً) ہاتھ لگا دیجئے۔ ہم سب آپ کے مذہب میں داخل ہو جائیں گے۔ آپ کو اپنی قوم کا مسلمان ہو جانا دل سے مرغوب تھا اس لئے آپ کے دل میں کچھ نرمی پیدا ہونے لگی تھی اس پر یہ آیتیں نصیراً تک نازل ہوئیں۔ (روح المعانی ۱۵/۱۲۸، مظہری ۵/۴۳۱)

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حجرِ اسود کو چومتے تھے۔ مشرکوں نے کہا کہ ہم آپ کو سنگِ اسود کو چومنے نہیں دیں گے جب تک کہ آپ ہمارے معبودوں کی طرف نہ جھکیں۔ آپ نے خیال کیا کہ اگر میں ایسا کر لوں تو کیا حرج ہے جبکہ اللہ جانتا ہے کہ میں دل سے اس کے خلاف ہوں۔ (مظہری ۵/۴۳۱)

ابن ابی حاتم ہی نے جبیر بن نفیر کی روایت سے بیان کیا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے تو یہ

نچلے کمین لوگ اور غلام جو آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں ان کو اپنے پاس سے نکال دیجئے۔ اس وقت ہم آپ کے ساتھی ہو جائیں گے۔ اس پر آیتیں نازل ہوئیں۔

(روح المعانی ۸-۱۲۰، مظہری ۶-۳۳۶)

تشریح: یہ مشرکین اس کوشش میں ہیں کہ آپ کو فریب دے کر فتنے کی طرف مائل کر دیں تاکہ آپ اس وحی کے سوا کوئی دوسری بات ہم پر افترا کر دیں۔ جب آپ ان کے فریب اور دھوکے میں آجاتے تو وہ آپ کو اپنا دلی دوست بنا لیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و مہربانی سے آپ کو ان کی طرف التفات کرنے سے محفوظ رکھا۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتا تو قریب تھا کہ آپ ان کی ہدایت کی حرص میں ان کی طرف قدرے مائل ہو جاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا۔ اگر بالفرض آپ ان کی طرف تھوڑا سا بھی جھک جاتے تو ہم آپ کو اس دنیا میں بھی دوہرا عذاب دیتے اور آخرت میں بھی دوہرا عذاب دیتے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴-۳۳۶، ۳۳۷)

کفار کی عداوت

۷۶، ۷۷۔ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ○

اور وہ تو سرزمین (مکہ) سے آپ کے قدم اکھاڑ ہی دینے کو تھے تاکہ آپ کو وہاں سے نکال دیں اور اگر ایسا ہو جاتا تو آپ کے بعد وہ بھی (وہاں) بہت ہی کم ٹھہر پاتے۔ آپ سے پہلے ہم نے جس قدر نبی بھیجے ان کے بارے میں ہمارا یہی دستور چلا آرہا ہے اور آپ ہمارے دستور میں ذرا بھی فرق نہ پائیں گے۔

يَسْتَفِزُّوْنَكَ : البتہ وہ تیرے قدم اکھاڑ دیں گے۔ البتہ وہ تیرے قدم ڈگمگا دیں گے۔

الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ق عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

آفتاب کے ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے تک نماز ادا کریں اور فجر کی نماز بھی۔ بے شک فجر کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے اور رات کے ایک حصے میں تہجد پڑھا کرو جو آپ کے لئے فائدہ مند ہے۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

دُلُوْك : وقت ڈھلنے سے۔ زوال کے وقت۔ مصدر ہے۔

غَسَق : سخت تاریکی۔ مصدر ہے۔

مَشْهُوْد : شہادت دیا ہوا۔ حاضر کیا ہوا۔ شُهُوْدٌ و شَهَادَةٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اے محمد ﷺ! آفتاب کے زوال کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی چھا جانے تک نماز کو اس کے پورے ارکان و شرائط کے ساتھ ادا کیجئے۔ اس میں چار نمازیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء آگئیں۔ اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک دلوک شمس سے مراد آفتاب کا زوال ہے۔ ابو مسعود عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زوال کے وقت جب سورج ڈھل گیا تو جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ بعض صحابہ و تابعین کہتے ہیں کہ "دلوک شمس" سے غروب آفتاب یعنی مغرب کی نماز مراد ہے اور جب رات کی سیاہی افق پر پھیل جائے تو اس وقت عشاء کی نماز پڑھو۔ پھر فرمایا کہ فجر کی نماز میں اور نمازوں کے مقابلے میں زیادہ قرآن پڑھا کرو۔ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فجر اور عصر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اگر تم اس کا ثبوت قرآن سے چاہتے ہو تو پڑھو وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا

چونکہ صبح کی نماز کے وقت نیند سے اٹھنے کا وقت ہے۔ اس لئے فجر کی فرض کا حکم الگ سے بیان

فرمایا پھر نبی کے متصل نماز تہجد کو بیان فرمایا کہ اے نبی ﷺ رات کے کچھ حصے میں خواب سے بیدار ہو کر نماز میں قرآن پڑھا کرو آپ کے لئے تہجد کی نماز کا حکم پانچ وقت کی فرض نماز کے علاوہ ہے۔ آپ یہ نماز ضرور پڑھا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو سب سے زیادہ بلند مقام عطا کرنا چاہتا ہے۔ (روح المعانی ۱۴۰/۱۵-۱۴۳)

غلبۂ حق کی پیشگوئی

۸۰-۸۲۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ○ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ○

اور آپ دعا کیجئے کہ اے رب مجھے خوبی کے ساتھ (مدینے میں) داخل کر اور خیر و خوبی کے ساتھ ہی (مکہ سے) نکال اور اپنی طرف سے مجھے ایسا غلبہ عطا فرما جس کے ساتھ (غیبی) نصرت ہو اور (اے رسول) آپ (ان مشرکوں سے) کہہ دیجئے کہ حق (اسلام) آگیا اور باطل (کفر) مٹ گیا۔ بیشک باطل تو مٹنے ہی والا تھا اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہیں اور ظالموں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔

لَّدُنْكَ: تیری طرف سے۔ اپنے پاس سے۔ ظرف مکان ہے۔

زَهَقَ: وہ مٹ گیا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ زُهُوْقٌ سے ماضی۔

تشریح: اے نبی ﷺ آپ مشرکین مکہ کی عداوت سے پریشان نہ ہوں بلکہ آپ تو یہ

دعا مانگیں کہ اے میرے پروردگار! آپ مجھے مکہ سے نکال کر جہاں (مدینے میں) پہنچانا چاہتے ہیں وہاں نہایت عزت و وقار اور خیر و خوبی سے پہنچا دیجئے اور میری پوری مدد و اعانت کیجئے تاکہ حق کا بول بالا ہو اور مکہ سے نکلنا بھی عزت و وقار کے ساتھ ہو تاکہ دشمن ذلیل و خوار ہو، حق کی فتح اور باطل کا سر نیچا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو نہایت خیر و خوبی اور عزت و آبرو کے ساتھ مکہ سے نکال کر مدینے پہنچا دیا اور دشمن آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور مدینے کے لوگوں کو آپ کا مددگار بنا کر وہاں اسلامی حکومت و سلطنت قائم کرا دی۔ پھر تھوڑے ہی عرصے میں مکہ بھی فتح کرا دیا۔

پھر جب مکہ فتح ہو جائے اور آپ اللہ کی فتح و نصرت کو دیکھ لیں تو دوست و دشمن سب سے علی الاعلان کہہ دیجئے کہ حق یعنی خالص اللہ کی عبادت کا وقت آ گیا اور کفر و شرک سرزمین عرب سے نکل بھاگا۔ بلاشبہ باطل تو تباہی مٹنے کے لئے ہے یہ عظیم الشان پیشگوئی مکہ ہی میں کی گئی جہاں بظاہر غلبۂ حق کے کوئی امکانات نہ تھے۔

پھر فرمایا کہ ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفاء اور رحمت ہیں یعنی جو لوگ اس قرآن کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں ان کو اس سے دنیا و آخرت دونوں کے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور جو لوگ اس قرآن کا انکار کرتے ہیں اور اس کو جھٹلاتے ہیں تو ان کے کفر و تکذیب کے سبب یہ ان ظالموں کے خسارے کو بڑھاتا ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۵،۱۷۱ / ۱۵، مظہری ۸۱، ۸۳، ۵ / ۸۳)

انسانی فطرت

۸۳، ۸۴۔ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝

روح کے بارے میں سوال

۸۵۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور وہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں (سو) آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور (اس کے بارے میں) تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

شانِ نزول: بخاری نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مدینے کے کھیتوں میں جا رہے تھے میں بھی ساتھ تھا۔ آپ کے پاس کھجور کی ایک شاخ تھی۔ آپ اس پر ٹیک لگائے چل رہے تھے، چلتے چلتے یہودیوں کی ایک جماعت کی طرف سے گزرے آپ کو دیکھ کر یہودی آپس میں کہنے لگے کہ ان سے روح کے بارے میں دریافت کرو۔ ایک شخص کہنے لگا کہ مت پوچھو۔ کہیں وہ ایسا جواب نہ دے دیں جو تمہیں ناگوار ہو۔ دوسرے نے کہا کہ ہم ضرور پوچھیں گے۔ چنانچہ ایک یہودی نے کھڑے ہو کر آپ سے روح کے بارے میں سوال کیا۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ میں سمجھ گیا کہ وحی آنے والی ہے میں بھی کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر میں جب وحی کی حالت دور ہو گئی تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(بخاری کتاب التفسیر سورۂ بنی اسرائیل)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ قریش نے جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) ہم میں پلے بڑھے ہیں اور ہمیشہ امانت و سچائی کے حامل رہے ہیں۔ ہم نے کبھی ان پر کسی جھوٹ کا شبہ بھی نہیں کیا لیکن اب انہوں نے وہ دعویٰ کیا جو تم لوگ جانتے ہو۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو مدینے کے یہودیوں کے پاس بھیج کر معلوم کراؤ کیونکہ وہ اہل کتاب ہیں۔ چنانچہ کچھ آدمیوں کو یہودیوں کے پاس مدینے بھیجا گیا۔ ان لوگوں نے مدینے جا کر یہودیوں سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ جا کر محمد (ﷺ) سے تین باتیں (یعنی اصحاب

کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں پوچھو۔ اگر وہ تینوں کا جواب دے دیں یا کسی کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو کہ نبی نہیں ہیں اور اگر وہ دو باتوں کا جواب دے دیں اور تیسری (روح) کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو کہ وہ نبی ہیں۔ (روح المعانی ۱۵؍۱۵۳، مظہری ۵؍۴۸۹)

آیت کی شانِ نزول کے بارے میں مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔ ابن مسعود کی روایت کے مطابق یہ آیت مدنی ہے اور ابن عباس کی روایت سے یہ آیت مکی ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس آیت کا نزول مدینے میں دوسری مرتبہ ہوا ہو جیسا کہ بہت سی دوسری آیات کا مکرر نازل ہونا سب علما کے نزدیک مسلم ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے ابن مسعود کی روایت کو راجح قرار دیا ہے اور اس کی دو وجوہ بتائی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ صحیحین کی روایت ہے اور اس کی سند ابن عباس کی روایت سے زیادہ قوی ہے۔ دوسرے ابن مسعود خود صاحبِ واقعہ ہیں۔ (مظہری ۵؍۴۸۹، ابن کثیر ۳؍۶۰)

تشریح: اس آیت میں کفار کی طرف سے روح کے متعلق ایک سوال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب مذکور ہے۔ کفار نے سوال کیا تھا کہ روح کیا چیز ہے، وہ انسان کے بدن میں کس طرح آتی جاتی ہے اور حیوان اور انسان اس سے کس طرح زندہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اے محمد ﷺ! آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ وہ عناصرِ جسم اور عام مخلوقات کی طرح مادہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ وہ مادہ کے بغیر بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے حکم کُن سے پیدا ہوئی ہے۔ حادث ہے، قدیم نہیں۔ نہ وہ خدا ہے اور نہ اس کا جز ہے بلکہ وہ ایک قسم مخلوق ہے جس پر مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ کو اختیار و قدرت ہے۔

اس جواب سے یہ واضح ہو گیا کہ روح کو عام مادی اشیا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ مادے کے بغیر اللہ کے حکم سے پیدا ہوئی ہے۔ انسان کے لئے روح کے بارے میں اتنا جان لینا ہی کافی ہے اس سے زیادہ علم نہ ہونے سے نہ تو اس کا کوئی دینی کام رکتا ہے اور نہ دنیوی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روح کے بارے میں اسی قدر وضاحت فرمائی جس قدر کہ انسان کے لئے ضروری ہے۔ جہاں تک اس کی حقیقت کا تعلق ہے تو اس کو سمجھنا عام آدمی کے لئے تو کیا بڑے بڑے حکما اور عقلا کے لئے بھی آسان نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت کو بیان نہیں

ترقی: تو ترقی کرے، تو چڑھ جائے۔ رقی سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں مشرکین کے ان شبہات و مطالبات کا بیان ہے جو ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارے میں تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ باوجود قرآن کریم کا معجزہ ہونا ثابت ہو جانے کے یہ لوگ بغض و عناد کی بنا پر ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ عناد کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ

۱۔ آپ ہمارے لئے سرزمین مکہ سے جہاں پانی کی قلت ہے، چشمہ جاری کر دیں جو کبھی خشک نہ ہو اور جس سے تمام اہل مکہ سیراب ہو جائیں۔

۲۔ یا خاص آپ کے لئے کھجوروں یا انگوروں کا کوئی باغ ہو اور پھر آپ اس باغ میں جگہ جگہ نہریں جاری کر دیں۔

۳۔ یا جیسا کہ آپ کہا کرتے ہیں ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں۔

۴۔ یا آپ اللہ اور فرشتوں کو لا کر ہمارے سامنے کھڑا کر دیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور وہ ہمارے سامنے یہ شہادت دیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

۵۔ یا آپ کے پاس سونے کا گھر ہو جس سے آپ کی شان و شوکت ظاہر ہو۔

۶۔ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم اپنی آنکھوں سے آپ کو آسمان پر چڑھتا ہوا دیکھ لیں۔

۷۔ ہم آپ کے آسمان پر چڑھ جانے سے بھی ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے آسمان سے ایک لکھی ہوئی کتاب اتار لائیں جس کو ہم پڑھ لیں۔ اس میں یہ بات لکھی ہوئی ہو کہ یہ ہمارا رسول ہے تم اس کی اتباع کرو۔

اگر آپ ہماری ان باتوں کو پورا کر دیں گے تو ہم آپ کو سچا مان لیں گے اور جان لیں گے کہ اللہ کے ہاں آپ کا بڑا مرتبہ ہے اور اس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ آپ ان کی خرافات کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ فرمائشیں ایسے شخص سے ہو سکتی ہیں جو اپنے لئے کمال قدرت کا دعویدار ہو۔ میرا پروردگار اس سے پاک ہے کہ اس کی قدرت کاملہ میں کوئی اس کا شریک ہو۔

میں تو بس ایک انسان ہوں جس کو اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ میرا کام تو اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچانا اور اس کے عذاب سے خبردار کرنا ہے۔ میری نبوت و رسالت کی تصدیق کے لئے تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی بہت سے معجزے دکھا چکا ہے۔ جیسے شق القمر وغیرہ جو ان فرمائشی معجزوں سے کسی طرح کم نہیں۔

(روح المعانی ۱۶۸، ۱۶۹/ ۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۰۲، ۴۰۳/ ۴)

کافروں کو عذاب کی تہدید

۹۶،۹۴۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ○

اور جب بھی لوگوں کے پاس ہدایت پہنچی تو ان کو ایمان لانے سے صرف یہ بات مانع ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے اور وہ اس پر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان (حق کی) گواہی کے لئے اللہ کافی ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا (اور) دیکھتا ہے۔

تشریح: اکثر لوگ ایمان لانے اور رسولوں کی اتباع سے اس بنا پر رک گئے کہ ان کو انسان کا پیغمبر ہونا عجیب لگا اسی لئے انہوں نے نبوت بشری کا انکار کر دیا۔ لیکن ان کا یہ تعجب و انکار بیجا ہے۔ عقل و حکمت کا تقاضا ہے کہ رسول انہی لوگوں میں سے ہو جن کی طرف اس کو

قتورا: کنجوس۔ بخیل۔ تنگدل۔ قتر سے صفت مشبہ۔

تشریح: منکرین حشر تعجب سے کہتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے اور ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کیسے زندہ ہو جائیں گے۔ قرآن کریم نے اس کا جواب مختلف مقامات پر مختلف طریقے سے دیا ہے۔ یہاں فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین جیسے بڑے بڑے اجسام بغیر نمونے کے پیدا کئے ہیں۔ اس کے لئے تم جیسی چھوٹی چیز کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ بلاشبہ وہ تمہیں اور تمہارے جیسے سب آدمیوں کو بے تکلف پیدا کر سکتا ہے۔ البتہ سب کے لئے قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کا ایک وقت مقرر ہے جو آ کر رہے گا۔ ایسے واضح مضامین اور دلائل سن کر بھی یہ ظالم اپنے کفر و گمراہی پر قائم ہیں۔

اے محمد ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہاری فطرت میں تو بخل ہے۔ اگر تمہارے ہاتھ میں رحمت کے خزانے آ جاتے تو تم کسی مستحق کو دینے سے اس لئے گھبراتے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں یا جس پر میں آج خرچ کرتا ہوں کہیں کل وہ میری ہمسری نہ کرنے لگے سو تم کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ مکہ و طائف کے بڑے متکبر اور دولت مند سرداروں کو چھوڑ کر وحی و نبوت کی یہ بیش بہا دولت بنی ہاشم کے ایک در یتیم کو مل جائے یہ اللہ تعالیٰ کا فیض ہے کہ وہ جس میں جیسی استعداد اور قابلیت دیکھتا ہے اس کو ویسے ہی کمالات و انعامات سے نواز دیتا ہے۔ تمہارے تعصب اور عناد سے اللہ کا فضل نہیں رک سکتا۔ محمد ﷺ کی اتباع کرنے والوں کو ان کے طفیل جو انعامات ملنے والے ہیں وہ مل کر رہیں گے۔

(عثمانی ۸۲۲،۸۲۱/۱، حقانی ۱۸۰/۳)

حضرت موسیٰ کے نو معجزے

۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی

بھیجا ہے اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ
لوگوں کے سامنے اس کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھیں اور اسی لئے ہم نے اس کو
تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔

فَرَقْنٰهُ: ہم نے اس (قرآن) کو جدا جدا کیا۔ ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا۔ فَرْقٌ سے
ماضی۔

مُکْثٍ: ٹھیر ٹھیر کر۔ آہستہ۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہ
سراسر حق ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اس کی حقانیت پر وہ
خود بھی شاہد ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں۔ جس طرح حق والے نے اس کو حق کے ساتھ نازل
کیا ہے اسی طرح حق کے ساتھ یہ آپ تک پہنچا ہے۔ نہ راستے میں کوئی باطل اس میں شامل ہوا
اور نہ باطل کی یہ شان کہ وہ اس کے ساتھ مخلوط ہو سکے۔ یہ کمی و بیشی سے بالکل محفوظ ہے اور
پوری طاقت والے امانت دار فرشتے کی معرفت نازل ہوا ہے۔ جو آسمان میں عزت والا اور سردار
ہے۔

اے محمد ﷺ آپ کا کام تو مومنوں کو خوشخبری سنانا اور کافروں کو ڈرانا ہے۔ اس
قرآن کو پہلے ہم نے لوحِ محفوظ سے بیت العزت پر نازل کیا جو پہلے آسمان میں ہے۔ پھر وہاں
سے تھوڑا تھوڑا کر کے ضرورت کے مطابق تئیس سال میں آنحضرت ﷺ کے قلبِ مبارک
پر نازل ہوا تاکہ آپ سہولت کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں کو سنا دیں۔ ہم نے بھی اس کو
تھوڑا تھوڑا کر کے ہی نازل کیا ہے۔ (ابن کثیر ۶۸/۳)

قرآن کی تاثیر

۱۰۹-۱۰۷۔ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ

تشریح: مشرکین خدا تعالیٰ کی رحمت کی صفت کا انکار کرتے تھے اور رحمٰن کو اللہ کا نام نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان مشرکوں کو بتا دیجئے کہ تم اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، دونوں طرح ٹھیک ہے کیونکہ اس کے اچھے اچھے نام بہت سارے ہیں۔ جن سے اس کی صفات جلال و جمال کا ظہور اور ہر عیب و نقص سے پاکی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اپنی نماز کو نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھو اور نہ بالکل خاموشی سے بلکہ درمیانی آواز سے پڑھو۔ یہاں الصلوٰۃ سے مراد رات کی نماز ہے خواہ وہ فرض ہو جیسے مغرب، عشاء یا نفل جیسے تہجد وغیرہ کیونکہ دن کی نماز میں (ظہر، عصر) تو بہرحال سری ہیں۔ ان میں جہر کے ساتھ قرأت نہیں کی جاتی۔

اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے خاص ہیں جو واحد اور صمد ہے۔ نہ اس کے ماں باپ ہیں نہ اولاد، نہ وہ ایسا حقیر کہ کسی کی حمایت کا محتاج ہو یا اسے وزیر و مشیر کی حاجت ہو بلکہ تمام چیزوں کا خالق و مالک صرف وہی ہے۔ اس لئے آپ ہر وقت اس کی عظمت و جلال، کبریائی اور بزرگی بیان کرتے رہئے۔

(ابن کثیر ۳/۹۸، مظہری ۵/۵۰۱-۵۰۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ کہف

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کو سورۂ کہف اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کے حیرت انگیز حالات کا بیان ہے جو کہف یعنی غار میں تین سو برس تک سو کر جاگے تھے۔
(حقانی ۱۸۶، ۳)

تعارف: اس میں بارہ رکوع، ایک سو دس آیتیں، ۱۵۸۱ کلمات اور ۶۶۴۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کا آغاز تحمید سے ہوا اور اختتام توحید و رسالت پر۔ شروع میں اصحاب کہف کا واقعہ ہے اس کے بعد فنا و زوال اور قیامت و آخرت کا بیان ہے۔ پھر حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بندے کو جو علم دیا گیا ہے وہ قلیل ہے۔ کسی کو اللہ نے کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی دوسرا علم دیا۔ پیغمبر خواہ کتنا ہی اولو العزم کیوں نہ ہو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تمام علوم سے واقف ہو۔ آخر میں ذوالقرنین کا حال بیان ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قیامت اور عالم آخرت کا دوبارہ ذکر ہے۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۳، ۴)

فضائل: دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتے اس کے ہمراہ آئے۔
(روح المعانی ۱۹۹، ۱۵)

ایک اور روایت میں، جس کو احمد، مسلم، نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔
(روح المعانی ۲۰۰، ۱۵)

رکوع ۸: حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعے کا بیان ہے۔ پھر حضرت موسیٰ کی درخواست مذکور ہے۔

رکوع ۹: کشتی کا واقعہ۔ ایک لڑکے کا قتل اور ایک بستی کا واقعہ مذکور ہے۔ پھر تینوں واقعات کی حقیقت بتائی گئی ہے۔

رکوع ۱۰: ذوالقرنین کا واقعہ اور یاجوج ماجوج کا دیوار توڑنے سے عاجز ہونا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت بتایا گیا ہے۔

رکوع ۱۱: سب سے زیادہ خسارے والے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پھر نیک لوگوں کے انعامات اور اللہ تعالیٰ کے بیشمار کلمات کا بیان ہے۔

قرآن کی فضیلت

۱۰۵۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۝ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر کتاب نازل کی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔ بالکل ٹھیک اتاری تاکہ وہ (کفار و مشرکین کو) اس سخت عذاب سے ڈرائے جو منجانب اللہ (ان پر) ہوگا اور مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ خوش خبری دے کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ تاکہ ان لوگوں کو بھی خوف دلائے جو (یہ) کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ نہ

تختی پر کندہ کر کے غار کے منہ پر نصب کر دیا تھا۔ اسی لئے ان کو اصحاب کہف و رقیم کہتے ہیں یہ ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں۔

هَيِّئْ: تو تیار کر۔ تو درست کر۔ تَهْيِئَةٌ سے امر۔

اَحْصٰى: خوب واقف۔ خوب گننے والا۔ اِحْصَاءٌ سے تفضیل۔

اَمَدًا: مدت۔ زمانہ دراز۔

تشریح: قریش نے یہود کے کہنے پر آپ کی آزمائش کی غرض سے آپ سے تین سوال کئے تھے۔ ایک سوال روح کے بارے میں تھا جو گزشتہ سورت میں گزر چکا۔ دوسرے سوال کے جواب میں یہاں اصحاب کہف کے واقعہ کا بیان ہے۔ تیسرا سوال ذوالقرنین کے بارے میں تھا۔ اس کا بیان بھی اسی سورت کے آخر میں ہے۔

اصحاب کہف کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے کہ سیکڑوں سال پہلے کے واقعات کا صحیح صحیح علم اللہ تعالیٰ کی وحی کے بغیر ممکن نہیں۔ ظاہر ہے آپ نے یہ واقعات نہ کسی سے سنے اور نہ کسی کتاب میں دیکھے اور پڑھے کیونکہ آپ اُمی تھے۔ اس کے باوجود ان واقعات کو ٹھیک ٹھیک بیان کر دینا آپ کی نبوت و رسالت کی کافی و شافی دلیل ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے گمان کرنے والے کیا تیرا یہ گمان ہے کہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی عجیب چیز تھے۔ بے شک یہ قصہ عجیب ہے مگر ہماری قدرت کی نشانیوں کے سامنے کوئی چیز عجیب نہیں۔ آسمان و زمین اور چاند و سورج کی پیدائش کے عجائبات اصحاب کہف کے حال سے کہیں زیادہ عجیب ہیں۔ غار ثور میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے یار غار حضرت ابو بکر کی حفاظت کرنا اور دشمنوں کو اندھا بنا دینا کہ وہ غار کے منہ پر کھڑے ہو کر بھی آپ کو نہ دیکھ سکیں۔ یہ اصحاب کہف کے واقعہ سے کم عجیب نہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب ان لوگوں نے دنیا سے منہ موڑ لیا اور کفر و شرک کے فتنے سے بچنے کے لئے شہر سے بھاگ کر ایک غار میں جا کر پناہ لی اور وہاں اللہ سے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے خاص رحمت عطا فرما اور ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب فرما۔ یہاں رحمت سے مراد حق اور ہدایت پر استقامت اور دشمنوں سے امن

باحفاظت ہے۔

سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو غار میں ایسی گہری نیند سلا دیا کہ گویا ان کے کانوں پر (نیند کے) پردے پڑے ہوئے ہیں اور وہ برسوں تک بے فکر سوتے رہے۔ پھر ہم نے ان کو نیند سے بیدار کر دیا تاکہ ہم دیکھ لیں اور لوگوں کو بھی دکھا دیں کہ دونوں فریقوں میں سے کس نے ان کے غار میں رہنے کی مدت کو خوب یاد رکھا ہے۔ جب وہ جاگے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کس قدر سوئے؟ کسی نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ کسی نے کہا کہ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت سوئے۔ اس آیت میں دو گروہوں کا جو ذکر آیا ہے اس کے بارے میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ خود اصحاب کہف میں دو گروہ بن گئے جنہوں نے غار میں سونے اور ٹھہرنے کی مدت کے بارے میں اختلاف کیا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ دو گروہ سے اس زمانے کے مومن و کافر مراد ہوں جنہوں نے ان کی مدت قیام میں اختلاف کیا تھا۔
(مواہب الرحمٰن ۲۳۲، ۱۵/۲۳۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۸۸، ۴۸۹، ۴/۴۰، روح المعانی ۲۰۸، ۱۵/۲۱۳)

اصحاب کہف کا مفصل واقعہ

۱۳-۱۶۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ۝ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلَٰهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ۝ هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً ۖ لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝ وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا ۝

ہم آپ کو ان کا حقیقی حال سناتے ہیں۔ وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے۔ جب وہ (ظالم بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی اور کو ہرگز معبود نہ پکاریں گے اور اگر ایسا کریں تو یہ بہت ہی بے جا بات ہوگی۔ یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اس (اللہ) کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں یہ لوگ ان کے معبود ہونے پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور (باہر آکر آپس میں کہنے لگے کہ) جب تم نے ان لوگوں سے اور ان معبودوں سے جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کنارہ کشی اختیار کر لی تو اب اس غار میں چل کر پناہ لو۔ تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت وسیع کرے گا اور تمہارے کام کو آسان کرے گا۔

رَبَطْنَا: ہم نے مضبوط کر دیا۔ ہم نے باندھ دیا۔ رَبْطٌ سے ماضی۔

شَطَطًا: زیادتی۔ ناحق۔ جھوٹ۔ حد سے تجاوز کرنا۔ مصدر ہے۔

اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ: تم ان لوگوں سے الگ ہو گئے۔ تم نے ان سے کنارہ کر لیا۔ اِعْتِزَالٌ سے ماضی۔

يَنْشُرْ: وہ پھیلاتا ہے۔ نَشْرٌ سے مضارع۔

مِرْفَقًا: سہولت۔ آرام۔ کامیابی کا ذریعہ۔ رِفْقٌ سے مصدر میمی۔

تشریح: یہاں سے اصحاب کہف کا مفصل واقعہ شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم آپ سے اصحاب کہف کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں کہ بیشک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے حالانکہ ان کی قوم شرک وبت پرستی میں مبتلا تھی۔ ایمان لانے کے بعد ہم نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا اور ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور وہ ایسے صابر وثابت ہو گئے کہ ان کو اللہ کی راہ میں پیش آنے والی مصیبتوں کی کوئی پرواہ نہ رہی یہاں تک کہ جب وہ

غار کی کیفیت

۱۷۔ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۗ مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ○

اور (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ جب سورج نکلتا ہے تو وہ ان کے غار سے داہنی طرف کو ہٹا ہوا رہتا ہے اور جب وہ غروب ہوتا ہے تو ان کے بائیں طرف سے کتراتا ہوا گزر جاتا ہے اور وہ اس (غار) کے ایک کشادہ حصے میں (پڑے ہوئے) ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے تو اس کے لئے کوئی مددگار اور راہ پر لانے والا نہیں ملے گا۔

تَزٰوَرُ: وہ جھک جاتی ہے۔ وہ مڑ جاتی ہے۔ وہ پھر جاتی ہے۔ تَزَاوُرٌ سے مضارع۔

تَقْرِضُهُمْ: وہ کترا جاتی ہے۔ وہ ان کو چھوڑ دیتی ہے۔ قَرْضٌ سے مضارع۔

فَجْوَةٍ: کشادہ جگہ۔ وسیع میدان۔ غار کے اندر کشادہ زمین۔

تشریح: غار کے اندر اللہ تعالیٰ کی جو رحمتیں، اصحاب کہف پر نازل ہو رہی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب سورج طلوع ہوتا تو دھوپ ان کے غار کے دائیں طرف جھکی رہتی تھی اور جب غروب ہوتا تو دھوپ ان کے بائیں جانب کترا جاتی (بائیں جانب ہٹی رہتی) تھی اور وہ اس کے اندر ایک فراخ اور وسیع مقام پر تھے۔ جہاں ہر وقت اللہ کی رحمت سے ان پر سایہ رہتا تھا۔ وہ دھوپ سے محفوظ تھے اور ان کو خوشگوار ہوا پہنچتی رہتی تھی۔

یہ بھی اللہ کی قدرت کی ایک نشانی ہے کہ اس نے ان کو غار میں زندہ رکھا، دھوپ اور ہر قسم کے نقصان سے بچائے رکھا۔ ان نوجوان موحدوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے ہدایت و توفیق

دین میں لوٹا لیں گے۔ اور تب تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے۔

بورقکم ۔ تمہارے سکّے۔ تمہارے روپے۔

فلیتلطف ۔ وہ نرمی برتے۔ وہ حسن تدبیر سے کام لے۔ وہ آہستگی سے جائے۔ وہ چپکے سے جائے۔ تلطف سے امر غائب۔

یرجموکم ۔ وہ تم کو سنگسار کر دیں گے۔ وہ تم کو پتھر مار کر ہلاک کر دیں گے۔ رجم سے مضارع۔

تشریح: جس طرح ہم نے اپنی قدرت سے ان کو ایک طویل مدت تک غار کے اندر سلایا اور ان کے جسموں کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھا اسی طرح ہم نے ان کو نیند سے بیدار کر دیا تاکہ ان کو اپنی حالت کا علم ہو جائے اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں اور اپنے ساتھ اللہ کے سلوک کو پہچان کر اس کی قدرت کا یقین کریں اور اس نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

بیدار ہونے کے بعد ان کو بھوک محسوس ہوئی جیسے معمول سے زیادہ سونے والے کو محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے ان میں سے ایک نے پوچھا کہ تم کتنی مدت سوتے رہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایک دن یا اس سے کچھ کم سوتے رہے۔ ایک دن یا اس سے کچھ کم سونے کا خیال اس لئے آیا کہ جب وہ غار میں داخل ہوئے تھے تو صبح کا وقت تھا اور جب بیدار ہوئے تو شام کا وقت تھا۔ اس لئے وہ یہی سمجھے کہ ایک دن یا اس سے کچھ کم سوئے ہوں۔ پھر جب قرائن اور آثار سے ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ طویل عرصے تک سوتے رہے تو کہنے لگے کہ تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت سوئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ اب اس جھگڑے کو چھوڑو اور اپنے میں سے کسی کو پیسے دے کر شہر کی طرف بھیجو جو وہاں جا کر دیکھے کہ کس دوکاندار کے پاس حلال اور پاکیزہ کھانا ہے۔ پھر وہ حلال اور پاکیزہ کھانا خرید کر تمہارے پاس لائے اور وہ خوش تدبیری سے کام لے۔ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے اور کسی کو پتہ نہ ہونے پائے۔ اگر لوگوں کو تمہارا پتہ چل گیا اور انہوں نے تم پر قابو پا لیا تو وہ تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے یا وہ تمہیں اپنے مذہب میں لوٹا لیں گے۔ اگر تم نے ان کے مذہب میں داخل ہونا قبول کر لیا تو تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔ یعنی عذاب سے نجات نہیں پاؤ گے۔

زمانۂ جاہلیت میں اس شہر کا نام افسوس تھا۔ عہدِ اسلامی میں اس کا نام افسوس کے بجائے طرطوس ہو گیا۔ (مظہری ۳۱، ۳۲/۶)

اہلِ شہر کو اصحابِ کہف کے حال پر مطلع کرنا

۲۱۔ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ○

اور اسی طرح ہم نے ان لوگوں پر ظاہر کر دیا تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں۔ وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب اس زمانے کے لوگ ان کے معاملے میں باہم جھگڑنے لگے۔ سو بعض نے کہا کہ ان کے غار پر ایک عمارت بنا دو۔ ان کا رب ہی ان کے حال سے خوب واقف ہے۔ جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے۔

اَعْثَرْنَا: ہم نے مطلع کیا۔ ہم نے بتا دیا۔ اِعْثَارٌ سے ماضی۔

بُنْيَانًا: ایک عمارت۔ ایک دیوار۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے ہم نے اصحابِ کہف کو انوکھی طرز پر سلایا اور بالکل انوکھے طور پر ان کو جگایا اسی طرح بالکل انوکھے طرز پر اپنی قدرتِ کاملہ سے اہلِ شہر کو اصحابِ کہف کے حالات سے مطلع فرمایا تاکہ ان کو اللہ کے وعدوں کی حقانیت کا علم ہو جائے اور قیامت کے قائم ہونے اور اس کے برحق ہونے میں انہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔ جس خدا نے اصحابِ کہف کی روحوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اتنی طویل مدت تک ان کے جسموں کو سڑنے نہیں دیا۔ پھر ان کی روحیں ان کے جسموں میں واپس کر دیں اور ان کو نیند سے بیدار کر

مگر یہ کہ اگر اللہ چاہے تو (تو کروں گا) اور جب آپ (یہ کہنا) بھول
جائیں تو (یاد آتے ہی) فوراً اپنے رب کو یاد کیجئے اور کہئے امید ہے کہ میرا
رب مجھے بھلائی کی اس سے بھی قریب راہ دکھائے۔

غدًا : آنے والا کل۔ روز قیامت۔

نسیت : تو بھول گیا۔ تو غافل ہو گیا۔ نسیانٌ سے ماضی۔

رشدًا : بھلائی۔ ہدایت۔ سیدھی راہ۔

شانِ نزول: مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب قریش نے آنحضرت ﷺ سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کا حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کل بیان کروں گا اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہ کہا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس بنا پر پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی۔ (حقانی ۱۹۸/۳، ابن کثیر ۷۵/۳)

تشریح: (اے نبی ﷺ) جس کام کو کل کرنا ہو اس کے بارے میں یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا بلکہ اس کے ساتھ ان شاء اللہ بھی کہا کیجئے کیونکہ کل کیا ہوگا اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ وہی عالم الغیب اور تمام چیزوں پر قادر و متصرف ہے۔ لہٰذا اپنے تمام امور میں اسی سے مدد طلب کرنی چاہئے۔ اگر موقع پر ان شاء اللہ کہنا یاد نہ رہے تو بعد میں جب بھی یاد آجائے اسی وقت کہہ لینا چاہئے، خواہ اس میں کتنی ہی مدت گزر چکی ہو۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بات بھول جاؤ تو اللہ کا ذکر کیا کرو کیونکہ بھول شیطانی حرکت ہے اور اللہ کا ذکر یاد کا ذریعہ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے قریش! تم اصحاب کہف کے قصے سے تعجب نہ کرو مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے اس سے بھی زیادہ عجیب خبریں بتائے گا جو میری نبوت و رسالت کی واضح اور بیّن دلیل ہوں گی۔

(ابن کثیر ۷۵/۳، حقانی ۱۹۸/۳)

واقعۂ کہف کا تتمہ

۲۵، ۲۶۔ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۞ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ؗ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۞

اور وہ اپنے غار میں تین سو نو برس رہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کتنے دن ٹھہرے۔ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اسی کو معلوم ہیں اور وہ کیا ہی خوب دیکھنے والا اور کیا ہی خوب سننے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی ان کا کارساز نہیں اور نہ وہ (اللہ) کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے۔

تشریح: یہ لوگ آپ سے اصحاب کہف کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے تو آپ ان کو بتا دیجئے کہ شمسی اعتبار سے وہ اپنے غار میں تین سو برس تک سوتے رہے اور چاند کے حساب سے یہ مدت تین سو نو سال تھی۔ کیونکہ شمسی اور قمری سال میں ہر سو سال پر تین سال کا فرق پڑتا ہے۔ اسی لئے آیت میں تین سو بیان کر کے نو الگ بیان کئے۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ جتنی مدت غار میں رہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کا غیب وہی جانتا ہے۔ اس پر اصحاب کہف کا حال کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ وہ ہر موجود چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر آواز کو سن رہا ہے۔ ظاہر و باطن قریب و بعید اس کے سامنے سب یکساں ہے۔ اس کے سوا ارض و سماں والوں کا کوئی کارساز اور مددگار نہیں اور نہ وہ ان میں سے کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے یعنی وہ اپنے علم غیب میں سے کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (ابن کثیر ۸۹، ۹۰/۳، مواہب الرحمٰن ۱۷۰، ۱۷۳/۱۵)

ہونے کا خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ ان سب میں سے زیادہ قرائن و شواہد اس غار کے حق میں ہیں، کسی اور غار کے حق میں موجود نہیں۔

یہ غار عمان شہر سے ۷ کلو میٹر جنوب میں واقع ہے اور اردن کی مرکزی شاہراہ سے جو عقبہ سے عمان تک گئی ہے اس کا فاصلہ ۳ کلو میٹر ہے۔

(ماخوذ از جہان دیدہ از مولانا محمد تقی عثمانی صفحات ۲۱۸، ۲۲۲، ماہنامہ الفاروق کراچی۔ شوال ۱۴۱۸ ھ، فروری ۱۹۹۸ء، صفحات ۳۳، ۳۵)

آپ کو تلاوت قرآن کا حکم

۲۷۔ وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ وقف
وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ○

اور (اے نبی ﷺ) آپ کے رب کی کتاب میں سے جو کچھ آپ پر وحی کیا گیا ہے، آپ اس کو تلاوت کرتے رہئے اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور اس کے سوا آپ کو کہیں پناہ کی جگہ نہ ملے گی۔

مُبَدِّلٌ : تبدیل کرنے والا۔ تَبْدِیْلٌ سے اسم فاعل۔

تَجِدُ : تو پائے گا۔ وُجُوْدٌ سے مضارع۔

مُلْتَحَدًا : پناہ کی جگہ۔ اِلْتِحَادٌ سے مصدر میمی و اسم ظرف۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ کو بیکار باتوں میں الجھنے اور بحث و مباحثے کی ضرورت نہیں۔ آپ تو اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں لگے رہئے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے جو کتاب آپ پر نازل کی ہے اس کو خود بھی پڑھتے رہئے اور دوسروں کو بھی پڑھ کر سناتے اور اس کو لوگوں تک پہنچائیے۔ یہی آپ کی نبوت و رسالت کی کافی و شافی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام اور واقعات اس کتاب میں بیان کئے ہیں انہیں نہ کوئی بدل سکتا ہے اور نہ غلط ثابت کر سکتا ہے۔ اگر کوئی اس کے احکام کو بدلنے کے درپے ہو گا یا اس کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے

تھا تو وہ خوب سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے مجرم کے لئے کہیں پناہ نہیں البتہ اطاعت گزاروں کے لئے اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ جیسے اصحاب کہف جو اللہ کی باتوں پر ثابت قدم رہے۔ اللہ نے ان کو اپنے فضل و رحمت سے کیسی عمدہ جگہ اور ٹھکانا عطا فرمایا۔

(حقانی ۳۳۳/۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۱۵)

سردارانِ کفر کی مذمت

۲۸۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ○

اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کی معیت میں رکھئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے ان سے آنکھیں نہ پھیر لیجئے اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہو گیا ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے۔

تَعْدُ۔ وہ پھرے۔ اس نے زیادتی کی۔ یہ عدو سے مضارع ہے۔

فُرُطًا حد سے تجاوز کرنا۔ ظلم کرنا۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت عیینہ بن حصین فزاری رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اسلام لانے سے پہلے عیینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت کچھ نادار مسلمان آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جن میں سلمان فارسیؓ بھی تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ان کو پسینہ بھی آ رہا تھا۔ عیینہ کہنے لگا اے محمد ﷺ! کیا آپ کو ان لوگوں کی بو سے تکلیف نہیں پہنچتی۔ ہم قبائل مضر کے سردار اور بڑے

لوگ ہیں۔ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو ہمارے سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن آپ کے پاس ایسے لوگوں کی موجودگی ہمیں آپ کی اتباع سے روکتی ہے۔ آپ ان کو ہٹا دیں تو ہم آپ کی اتباع کرنے لگیں گے یا آپ ہمارے بیٹھنے کے لئے کوئی علیحدہ جگہ مقرر کر دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۵/۲۶۲، مظہری ۶/۴۹)

ابن مردویہ نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت امیہ بن خلف جمحی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ امیہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان فقیروں کو اپنے پاس سے نکال دیجئے اور مکہ کے سرداروں کو اپنے پاس بٹھائیے۔ اللہ کو یہ درخواست ناپسند تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۳۰۴)

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ ان اہل دنیا کی ذرا پرواہ نہ کیجئے بلکہ آپ اپنی نشست و برخاست ہر وقت ان لوگوں کے ساتھ رکھیئے جو صبح و شام اپنے رب کی یاد میں لگے رہتے ہیں اور اس ذکر و عبادت سے ان کا مقصد صرف اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اور کوئی دنیاوی غرض نہیں۔

پھر فرمایا کہ آپ کی نظر التفات کسی وقت بھی ان غریب مسلمانوں کی طرف سے ہٹ کر اہل دنیا کی طرف نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ منکرین ایمان لانے والے نہیں اس لئے مخلصین مومنین کے اخلاص اور ان کی دلجوئی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ غریب اور درویش مسلمانوں کی پہلے سے زیادہ خاطر داری کرنے لگے اور ان کے پاس آکر بیٹھتے اور فرماتے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے پاکیزہ لوگ بنائے جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم دیا۔ میری زندگی اور موت انہی کے ساتھ ہے۔

جن لوگوں کے دل ہماری یاد سے غافل ہیں اور وہ اس دنیا پر فریفتہ ہیں اور ہمہ تن اپنی خواہشات نفس کے تابع ہیں تو آپ ایسے لوگوں کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیے خواہ وہ بظاہر کیسے ہی دولت مند ہوں۔ یہ لوگ حد اعتدال سے بڑھے ہوئے ہیں۔

(حقانی ۳/۸۳، ۸۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۳۱۲ سے ۴۱۲)

ظالموں کا انجام

۲۹۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ ۗ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا O

اور آپ کہہ دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کافر رہے۔ بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گی اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پیپ کی مانند ہوگا (اور) جو منہ کو جھلس دے گا۔ کیا ہی برا پانی ہوگا اور کیا ہی بری آرام کی جگہ ملے گی۔

سُرَادِقُهَا: اس کے پردے۔ اس کی قناتیں۔ اس کے خیمے۔ واحد سرادق۔

یَسْتَغِیْثُوْا: وہ فریاد کرتے ہیں۔ وہ مدد مانگتے ہیں۔ استغاثۃ سے مضارع۔

مُهْل: تیل کی تلچھٹ۔ پیپ۔ پگھلا ہوا تانبا۔ اسم ہے۔

یَشْوِیْ: وہ جھلس دے گا۔ وہ بھون ڈالے گا۔ شَیٌّ سے مضارع۔

مُرْتَفَقًا: آرام کرنے کی جگہ۔ منزل۔ ٹھکانہ۔ ارتفاقٌ سے ظرف مکان۔

تشریح: اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ میں اپنے رب کے پاس سے لایا ہوں وہی حق اور سچ ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اب جس کا دل چاہے مانے اور جس کا دل نہ چاہے نہ مانے اور نہ ماننے والے اپنا انجام سوچ لیں۔ بلاشبہ ان ظالموں کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔ وہ ان کی منتظر ہے۔ اس کی قناتیں اور پردے ہر طرف سے ان کو گھیرے ہیں

گے۔ جب وہ پیاس کی شدت سے چلائیں گے اور پانی کے لئے فریاد کریں گے تو ان کو ایسا پانی دیا جائے گا جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہو گا یا تیل کی تلچھٹ یا پیپ کی طرح کا پانی ہو گا جو بے حد گرم ہو گا اور منہ کے قریب آتے ہی کھال جھلس دے گا۔ وہ بہت ہی برا پانی ہے۔ ان کا ٹھکانا اور ان کی آرام گاہ بھی نہایت بری ہے۔ (ابن کثیر ۸۱، ۸۲/ ۳، عثمانی ۳۹۰/ ۱)

مومنین صالحین کا انعام

۳۰، ۳۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو ہم بھی ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے جنہوں نے نیک عمل کئے۔ انہیں لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے پہنیں گے، وہ وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور کیا ہی خوب آرام گاہ ہے۔

يُحَلَّوْنَ: ان کو آراستہ کیا جائے گا۔ ان کو زیور پہنایا جائے گا۔ تَحْلِيَةٌ سے مضارع۔

اَسَاوِرَ: کنگن۔ واحد سِوَارٌ۔

خُضْرًا: سبز۔ ہرے۔ واحد اَخْضَرُ و خَضْرَاءُ۔

سُنْدُسٍ: باریک کپڑا۔ باریک ریشمی کپڑا۔

کھجور کے درخت لگائے اور ان کے درمیان کھیتی لگائی۔ دونوں باغ اپنے پورے پھل دیتے تھے اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہیں رہتی تھی اور ہم نے ان دونوں (باغوں) کے درمیان ایک نہر بھی جاری کی اور اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا سو وہ اپنے ساتھی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور آدمیوں کے اعتبار سے بھی زیادہ عزت دار ہوں اور وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہوا (یعنی متکبرانہ انداز میں) اپنے باغ میں داخل ہوا (اور) کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہو گا اور نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیامت برپا ہو گی اور اگر مجھے کبھی اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو وہاں یقیناً اس سے بھی بہتر جگہ پاؤں گا۔

حَفَفْنٰهُمَا: ہم نے ان دونوں کو گھیر لیا۔ حَفٌّ سے ماضی۔

فَجَّرْنَا: ہم نے پھوڑا۔ ہم نے جاری کیا۔ تَفْجِیْرٌ سے ماضی۔

خِلٰلَهُمَا: ان دونوں کے درمیان۔ واحد خَلَلٌ

یُحَاوِرُهٗ: وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا ہے۔ مُحَاوَرَةٌ سے۔

تَبِیْدَ: وہ برباد ہو گی۔ وہ خراب ہو گی۔ بَیَادٌ سے مضارع۔

مُنْقَلَبًا: لوٹنے کی جگہ۔ ٹھکانا۔ اِنْقِلَابٌ سے اسم ظرف۔

تشریح: اے نبی ﷺ! دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری ظاہر کرنے کے لئے آپ ان منکرین سے دو آدمیوں کا حال بیان کر دیجئے جن میں سے ایک مالدار تھا۔ اس کے پاس انگور کے دو باغ تھے جن کے گرداگرد کھجور کے درخت لگے ہوئے تھے۔ انگور کے دونوں باغوں کے درمیان کھیتی پیدا ہوتی تھی۔ کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ تمام زمین مختلف قسم کی پیداوار دیتی تھی۔ دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے۔ کسی کی پیداوار میں ذرا بھی کمی نہیں ہوتی تھی۔ جیسے عموماً باغوں میں ہوتی ہے کہ کسی سال تو پھل خوب آیا اور پھر دوسرے سال بہت کم۔ ان دونوں باغوں کے درمیان نہر بھی جاری تھی جس کا پانی کبھی منقطع نہیں ہوتا تھا اور وہ نہر دونوں

تجھے صحیح و سالم آدمی بنا دیا۔ لیکن میرا رب تو وہی اللہ ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو تو نے کیوں نہیں کہا کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کی مدد کے بغیر (کسی میں) کوئی قوت نہیں۔ اگرچہ مال و اولاد میں تو مجھے اپنے سے کم دیکھتا ہے۔ سو امید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بھی بہتر باغ دے دے اور (تیرے) اس باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس سے وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی خشک ہو جائے پھر تو اسے ہرگز نہ پا سکے گا۔

سَوّٰىكَ: اس نے تجھ کو تندرست کیا۔ اس نے تجھ کو صحیح سالم بنایا۔

تَرَنِ: تو مجھے دیکھتا ہے۔ رَأْیٌ و رُؤْیَةٌ سے مضارع۔

حُسْبَانًا: آفت۔ عذاب۔

صَعِیْدًا: مٹی۔ خاک۔ صاف میدان۔ صُعُوْدٌ سے صفت مشبہ۔

زَلَقًا: چٹیل میدان۔ ایسا صاف کہ جس پر پاؤں پھسلنے لگے۔ مصدر ہے۔

غَوْرًا: خشک ہونا۔ جذب ہونا۔ نیچے چلا جانا۔ مصدر بمعنی فاعل۔

تشریح: اس مالدار کافر کو اس کے مومن ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے جواب دیا کہ کیا تو اپنے خدا کو نہیں مانتا جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پیدا کیا پھر خدا نے اپنی قدرت سے تجھے پورا مرد بنا دیا۔ پھر تجھے اس کی قدرت میں شک ہو گیا کہ مرنے کے بعد جب تو مٹی ہو جائے گا تو وہ تجھے کیسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ جس خدا نے پہلی بار تجھے مٹی سے پیدا کیا وہ تجھے دوبارہ مٹی سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

اب تو مان یا نہ مان، میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ میرا پروردگار تو وہی اللہ ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا جب تو باغ میں داخل ہوا تھا تو باغ کو دیکھ کر تجھے اپنی عاجزی کا اقرار کرنا چاہئے تھا کہ یہ سب اللہ کے فضل اور اس کی مشیت سے ہے وہ چاہے تو اس کو آباد رکھے اور چاہے اس کو اجاڑ دے۔ وہ ہر طرح سے قادر ہے۔

سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا باقیات الصالحات کو زیادہ (پڑھا) کرو۔ عرض کیا گیا رسول اللہ ﷺ باقیات الصالحات کیا ہیں۔ فرمایا

سُبْحَانَ اللّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ہیں۔ (مظہری [illegible]، ابن کثیر [illegible])

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ باقیات صالحات یہ ہیں

سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ (ابن کثیر [illegible])

پہاڑوں اور زمین کا چلنا

۴۷ تا ۴۹۔ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّن نَّجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا ۝ وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝

اور جس روز ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور (اے مخاطب) تو زمین کو صاف میدان دیکھے گا اور ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ہم ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب تیرے رب کے سامنے صف در صف پیش کئے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) اب تو تم اسی حال میں ہمارے پاس آپہنچے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور

ہم تمام عمر بد کرداریوں میں لگے رہے اور اب دیکھو تو اس کتاب (اعمال نامہ) نے ایک معاملہ بھی ایسا نہ چھوڑا جسے لکھا نہ ہو۔ جو کچھ بھی انہوں نے دنیا میں کیا ہو گا وہ سب کچھ اپنے اعمال ناموں میں لکھا ہوا پائیں گے اور اللہ تعالٰی کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ وہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے اور نہ کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے۔ (ابن کثیر ۸۷،۸۸/۳)

غرور کا انجام

۵۰۔۵۳۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ○ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ○ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ○

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ وہ جنوں میں سے تھا۔ سو اس نے اپنے رب کی حکم عدولی کی کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت ہی برا بدلہ ہے۔ میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کا بنانا دکھایا اور نہ خود ان کو بنانا اور میں گمراہوں کو اپنا مددگار نہیں بناتا اور جس دن اللہ مشرکوں سے فرمائے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھا کرتے تھے ان کو پکارو سو وہ

ان کو پکاریں گے پھر وہ ان کو جواب بھی نہ دیں گے اور ہم ان کے
درمیان ایک ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے اور (اس وقت) گنہگار لوگ آگ
(دوزخ) کو دیکھیں گے پھر وہ سمجھ لیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے
ہیں اور وہ اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

عضدا : بازو۔ قوت۔ جمع اعضاد۔

موبقا : ہلاکت کی جگہ۔ جہنم کا ایک خاص درجہ۔ وَبُوْقٌ سے اسم ظرف۔

مُوَاقِعُوْهَا اس میں گرنے والے۔ مُوَاقَعَةٌ سے اسم فاعل۔

مصرفا : لوٹنے کی جگہ۔ بچنے کا راستہ۔ صرفٌ سے اسم ظرف۔

تشریح: وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تعظیم وتکریم کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو اس وقت ابلیس کے سوا سب نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ابلیس نے اس لئے سجدہ نہیں کیا کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ وہ اپنے عنصر ناری کے تقاضے کے تحت غرور و تکبر کی طرف مائل ہو گیا۔ سو وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل اور اطاعت سے باہر ہو گیا۔ کیا تم لوگ اس کے بعد بھی مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو میرے سوا اپنا دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ یہ تو ظالموں کے لئے بہت ہی برا بدل ہے کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر ابلیس اور اس کی ذریت کو اپنا دوست بنا لیا۔

پھر فرمایا کہ میں نے آسمانوں اور زمین اور تمام مخلوق کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ ان کی پیدائش میں، میں نے کسی سے مدد نہیں لی اور نہ کسی سے صلاح اور مشورہ لیا اور نہ میں ایسا عاجز و بے بس تھا کہ گمراہ کرنے والوں (شیطانوں) کو اپنا مددگار بناتا۔ قیامت کے روز اس کی حقیقت کھل جائے گی جب کافروں کو سب کے سامنے شرمندہ کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ تم اپنے زعم میں جن کو میرا شریک قرار دیتے تھے اب ان کو اپنی مدد کے لئے بلاؤ تاکہ وہ تمہیں آج کے دن کی مصیبت سے بچائیں۔ سو وہ ان کو اپنی مدد کے لئے بلند آواز سے بلائیں گے۔ مگر وہ شرکاء ان کو کوئی جواب نہ دیں گے اور نہ ان کی فریاد کو پہنچیں گے۔ ہم ان کے اور ان کے باطل معبودوں کے درمیان ایک آڑ اور ہلاکت کا گڑھا بنا دیں گے تاکہ یہ ان سے اور وہ ان سے نہ مل

جدلاً: بحث، جھگڑا کرنا۔ مصدر ہے۔

قبلاً: مقابل۔ سامنے۔

لیدحضوا: وہ زائل کر دیتے ہیں۔ وہ ڈگمگاتے ہیں۔ ادحاض سے مضارع۔

ھزوا: ٹھٹھا، مسخرہ پن۔ مذاق کرنا۔ مصدر بمعنی اسم مفعول۔

تشریح: ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت و نصیحت کے لئے ہر بات کو مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کر دیا ہے تاکہ لوگ راہ حق سے نہ بھٹکیں لیکن اس تفصیل اور واضح بیان کے باوجود لوگ حق کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں کیونکہ انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

جب لوگوں کے پاس قرآنی ہدایت آ چکی تو ان کو اس ہدایت پر ایمان لانے اور اس کے قبول کرنے سے اور اپنی سابقہ گمراہی سے توبہ و استغفار کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ وہ اس بات کے منتظر ہوں کہ ان کو بھی سابقہ لوگوں کی طرح ہلاک کر دیا جائے یا اللہ کا عذاب ان کے سامنے آ کھڑا ہو تب یہ ایمان لائیں گے حالانکہ اس وقت کا ایمان قابل قبول نہیں۔ ہم رسولوں کو اس لئے بھیجتے ہیں تاکہ وہ مومنوں کو جنت کی بشارت سنا دیں اور کافروں کو دوزخ کے عذاب سے خبردار کر دیں۔ ان پر یہ لازم نہیں کہ وہ لوگوں سے زبردستی حق منوائیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ بے ہودہ اور مہمل باتوں کے ذریعے باطل بحث کرتے ہیں تاکہ حق کو بے وقعت کر دیں۔ ان لوگوں نے میری آیتوں کو اور جس عذاب سے ان کو ڈرایا گیا تھا اس کو مذاق اور ٹھٹھا بنا لیا ہے۔ (مظہری [illegible]، معارف القرآن [illegible])

کافروں کے دلوں پر پردے

۵۷، ۵۸، ۵۹۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا
قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي
آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا

اَبَدًا ○ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ○ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ○

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے اس کو بھول جائے۔ بیشک ہم نے بھی ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں بھی تب بھی وہ ہرگز کبھی راہ پر نہ آئیں گے اور آپ کا رب بڑا بخشنے والا (اور) رحمت والا ہے۔ اگر وہ ان کے کئے پر ان کو پکڑنا چاہتا تو فوراً ان پر عذاب بھیج دیتا بلکہ ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس کے بعد ان کے لئے پناہ کی کوئی جگہ نہیں۔ یہ ہیں وہ بستیاں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا تھا اور ہم نے ان کی ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔

اَکِنَّۃً: حجاب۔ پردے۔ واحد کِنَانٌ۔

وَقْرًا: بوجھ۔ بہرا پن۔ ڈاٹ۔ اسم مصدر۔

مَوْئِلًا: پناہ کی جگہ۔ فرار کی جگہ۔ وَاْلٌ وَوُءُوْلٌ سے اسم ظرف۔

تشریح: اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی ہو اور اس نے نصیحت قبول کرنے کی بجائے اللہ کی آیتوں سے منہ پھیر لیا ہو اور جو گناہ وہ پہلے کر چکا ان کے انجام کو بھول گیا۔ ان کی اس بدبختی کا سبب یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ یہ قرآنی ہدایت کو نہ سمجھ سکیں اور ان

الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ○
قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ○
فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ
لَّدُنَّا عِلْمًا ○

اور جب موسیٰ نے اپنے جوان (خادم) سے کہا کہ میں اپنے ارادے سے نہ ٹلوں گا یہاں تک کہ میں دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچ جاؤں یا برسوں تک چلتا رہوں، پھر جب وہ دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی (وہیں) بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی سرنگ بنا کر۔ پھر جب وہ دونوں آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ ہم نے اس سفر میں بڑی تکلیف اٹھائی ہے۔ اس نے کہا کہ آپ نے دیکھا کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو مچھلی کو میں وہیں بھول آیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کرتا اور اس نے عجیب طریقے سے دریا میں اپنا راستہ بنایا تھا۔ (موسیٰ نے) کہا یہی تو وہ جگہ تھی جس کی ہمیں تلاش تھی۔ سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے لوٹے۔ پھر انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک خاص علم سکھایا تھا۔

لِفَتٰهُ : اس کے خادم کے لئے۔

اَبْرَحُ : میں ٹلوں گا۔ میں چھوڑوں گا۔ بَرَحٌ سے مضارع۔

حُقُبًا : برسوں تک۔ طویل مدت تک۔ جمع اَحْقَابٌ۔

حُوْتَهُمَا : ان دونوں کی مچھلی۔

سَرَبًا : سُرنگ۔ سوراخ۔ سرنگ۔ جمع اَسْرَابٌ۔

نَصَبًا : رنج۔ تکلیف۔ جمع اَنْصَابٌ۔

مجھے بھی وہ مفید علم سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ انہوں نے جواب
دیا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہ کر سکو گے اور تم کیسے صبر کر
سکتے ہو اس بات پر جو تمہاری سمجھ سے باہر ہے۔ (موسیٰ نے) کہا کہ
ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا ہی پائیں گے اور میں آپ کے کسی
حکم کے خلاف نہ کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ اچھا اگر تو میرے ساتھ ہی
رہنا چاہتا ہے تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی تجھ
سے اس کا ذکر کروں۔

تحط : تو احاطہ کرے گا۔ تو گھیرے گا۔ احاطۃ سے مضارع۔

خبرا : خبر رکھنا۔ سمجھ رکھنا۔ واقفیت رکھنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کے پاس پہنچ کر ان کو سلام کیا اور کہا میں آپ
کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس امید پر آپ کے ساتھ رہوں کہ
جو خیر اور بھلائی کی باتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم کی ہیں ان میں سے کچھ آپ مجھے بھی تعلیم
کر دیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے موسیٰ یقینی طور پر تم میرے ساتھ رہ کر
میری باتوں پر ہرگز صبر نہ کر سکو گے کیونکہ آپ شریعت کے پابند ہیں اور احکام شریعت کا
دارومدار ظاہر پر ہے۔ مجھ سے جو امور صادر ہوں گے وہ بظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور
ان کی حقیقت کی آپ کو خبر نہ ہو گی۔ آپ ان کو دیکھ کر حیران ہوں گے اور صبر نہ کر سکیں گے
اور جس بات کا آپ کو پورا علم نہ ہو اس پر آپ کیسے صبر کر سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ اگرچہ میں شریعت کا مکلف ہوں مگر آپ سے وعدہ
کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ میں آپ کی باتوں پر صبر کروں گا اور آپ کے کسی حکم کے خلاف نہیں
کروں گا۔ حضرت خضر نے جواب دیا کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اس بات کا خیال
رکھنا کہ جب تک میں خود کسی چیز کے بارے میں آپ کو نہ بتاؤں اس وقت تک اس کے بارے
میں مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔

کشتی کا واقعہ

۷۱۔۷۳۔ فَانْطَلَقَا ٝ حَتّٰىٓ اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝

پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے اس (کشتی) میں سوراخ کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا تو نے کشتی کے لوگوں کو ڈبونے کے لئے اس میں چھید کیا ہے۔ البتہ تو نے بڑی بھاری (خطرے کی) بات کی۔ اس نے کہا کہ کیا میں نے تجھ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ (رہ کر) ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ موسیٰ نے کہا کہ آپ بھول چوک پر میرا مواخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملے میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالیے۔

انطلقا : وہ دونوں چلے۔ اِنْطِلَاقٌ سے ماضی۔

خرقھا : اس نے اس کو پھاڑ ڈالا۔ اس نے اس میں چھید کر دیا۔ خَرْقٌ سے ماضی۔

ترھقنی : تو مجھ پر مسلط کر۔ تو مجھ پر ڈال۔ اِرْهَاقٌ سے مضارع۔

تشریح: شرائط طے ہونے کے بعد دونوں ساحل سمندر کی طرف چل دیئے جہاں انہیں ایک کشتی مل گئی اور دونوں اس میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ کشتی والوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور ان سے کرایہ نہیں لیا۔ کچھ دور تک کشتی میں سفر کرنے کے بعد حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ کر اس میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گھبرا گئے کہ اب کشتی میں پانی بھر جائے گا اور کشتی ڈوب جائے گی۔ اس لئے حضرت خضر سے کہنے لگے کہ کیا کشتی والوں کو ڈبونے کے لئے آپ نے کشتی کو پھاڑا ہے۔ انہوں نے تو ہمیں بلا کرایہ سوار کیا ہے

اور بالکل گرنے کے قریب تھی۔ پس حضرت خضر نے ہاتھ کے اشارے سے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ نے کہا کہ آپ نے ایسے سنگدل اور بخیل لوگوں کے ساتھ احسان کیا اور بلا معاوضہ ان کی دیوار سیدھی کر دی۔ اگر آپ چاہتے تو ان سے اجرت لے لیتے اور ہم اس سے کھانا کھا لیتے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ آپ کا تیسرا اعتراض ہے جو میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا سبب ہے۔ لیکن جدا ہونے سے پہلے میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

تینوں واقعات کی حقیقت

۷۹ تا ۸۲۔ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

وہ جو کشتی تھی وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے سو میں نے چاہا کہ میں اس میں عیب ڈال دوں کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا اور وہ جو لڑکا تھا تو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے سو ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر سے ان دونوں (ماں باپ) کو بھی کفر و ظلم میں مبتلا نہ کر دے۔ پھر ہم

نے چاہا کہ ان کا خدا اس کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو اور محبت میں بھی اس سے اقرب (بہتر) ہو۔ اور وہ جو دیوار تھی وہ (اس شہر کے) دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ پس آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں جوان ہو کر آپ کے رب کی مہربانی سے اپنا دفینہ نکال لیں اور یہ میں نے از خود نہیں کیا تھا۔ یہ ہے ان باتوں کی حقیقت جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

غَصْبًا: غصب کرنا۔ چھیننا۔ زبردستی لینا۔ مصدر ہے۔

یُرْهِقَهُمَا: وہ ان دونوں پر اثر ڈالے گی۔ وہ ان دونوں کو مبتلا کرے گی۔ اِرْهَاق" سے مضارع۔

مَدِيْنَة: شہر۔ جمع مُدُنٌ۔

تَحْتَهٗ: اس کے نیچے۔ اسم ظرف مکان۔

كَنْزٌ: جمع کرنا۔ ذخیرہ کرنا۔ خزانہ۔ دفینہ۔

تشریح: ۱۔ وہ کشتی چند غریب لوگوں کی ملکیت تھی جو اس کو دریا میں کرائے پر چلاتے تھے۔ ان لوگوں کی گزر بسر اسی کشتی سے حاصل ہونے والی آمدنی پر تھی۔ ان کے آگے راستے میں ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح و سالم اور عمدہ کشتی کو چھین لیتا تھا۔ اس لئے میں نے اس کشتی کو عیب دار کر دیا تاکہ وہ اس کے عیب کو دیکھ کر اس کو غصب کرنے سے باز رہے اور بعد میں یہ غریب لوگ تختہ لگا کر اپنی کشتی کو درست کر لیں۔

۲۔ رہا وہ لڑکا جس کو میں نے قتل کر دیا تھا تو اس کے ماں باپ ایماندار تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی اور یہ لڑکا بڑا ہوتا تو کافر ہوتا سو ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو بھی کفر پر مجبور نہ کر دے اور وہ اس کے حسن و جمال اور محبت کی وجہ سے اس سے جدا ہونا گوارا نہ کریں اور کفر اختیار کر کے دائمی ہلاکت میں نہ گرفتار ہو جائیں۔ اس طرح اس لڑکے کا مارا جانا ظاہر میں تو ان کے حق میں مصیبت تھا اور باطن میں باعث رحمت تھا۔ سو ہم نے ارادہ کیا کہ اس لڑکے کا قصہ تمام کر دیا جائے

دو۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی اولاد دے جو کفر و شرک اور معصیت سے پاک ہو اور ایمان و توحید اور عمدہ اخلاق سے آراستہ ہو اور بڑھ کر شفقت و محبت والدین سے زیادہ قریب ہو۔

۳۔ جہاں تک اس دیوار کا تعلق ہے جو گرنے کے قریب تھی اور جس کو میں نے بلا معاوضہ سیدھا کر دیا تھا، تو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی۔ اس دیوار کے نیچے ان دونوں کے لئے ایک خزانہ چھپا ہوا تھا۔ اگر دیوار گر جاتی تو خزانہ ظاہر ہو جاتا اور لوگ اس کو لوٹ کر لے جاتے۔ ان لڑکوں کو ان کی کم سنی اور کمزوری کے سبب کچھ بھی نہ ملتا۔

ان کا باپ ایک نیک صالح آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی نیکی کے صلے میں اس کی اولاد کی حفاظت منظور تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ دونوں لڑکے جب بڑے ہو کر اپنی جوانی کو پہنچ جائیں تو اپنا دفینہ نکال لیں۔ ان پر مہربانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دیوار کی اصلاح کا حکم دیا۔ اس لئے میں نے اللہ کے حکم سے دیوار کو بلا معاوضہ سیدھا کر دیا تھا۔ ان تمام کاموں میں سے کوئی کام بھی میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا۔

یہ تھی ان چیزوں کی باطنی حقیقت جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ صبر نہ کر سکے۔ آپ شریعت کے ظاہر احکام کی وجہ سے مجبور و معذور تھے اور میں باطنی احکام کی وجہ سے مجبور و معذور تھا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/ ۴۳۳ ، ۴۳۴)

ذوالقرنین کا واقعہ

۸۳-۹۸۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ○ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا ○ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ○ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ○ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ○ وَاَمَّا

اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ○

پھر وہ ایک اور مہم کے لئے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ جا پہنچا (یعنی مشرق میں) تو اس نے سورج کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا جن کے لئے ہم نے سورج سے بچنے کے لئے کوئی آڑ نہیں بنائی تھی۔ (یہ قصہ) اسی طرح ہے اور اس (ذوالقرنین) کے حال کی پوری خبر ہمارے ہی پاس ہے۔

تشریح: مغربی ممالک کو فتح کرنے کے بعد ذوالقرنین مشرق کی جانب چل دیئے تاکہ مشرقی ممالک کو بھی فتح کرلیں اور ان کو دین حق کی دعوت دیں جو اس کو قبول نہ کرے اس کو ذلیل وخوار کردیں۔ چنانچہ راستہ میں جو قومیں ملتی رہیں وہ ان کو اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کی دعوت دیتے رہے۔ اگر وہ قبول کرلیتے تو ٹھیک ورنہ ان سے قتال کرتے اور اللہ کے فضل سے ان پر غلبہ پاتے۔

پھر وہ چلتے چلتے انتہائی مشرق میں پہنچ گئے جہاں انہوں نے ایک ایسی بستی دیکھی جس کے لوگ نیم وحشی تھے، نہ مکانات بناتے تھے اور نہ سائے کے لئے وہاں کوئی درخت تھا۔ وہ زیر زمین سرنگیں بنا کر رہتے تھے۔ جب سورج طلوع ہوتا تو ان سرنگوں میں داخل ہو جاتے اور زوال کے بعد طلب معاش میں باہر نکلتے۔ الغرض ذوالقرنین کا قصہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ اہل تاریخ لکھتے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں اور ذوالقرنین کے پاس کس قدر مال واسباب اور فوجی لشکر وغیرہ تھا یہ بھی کسی کو معلوم نہیں۔ اس سے صرف ہم ہی واقف ہیں کیونکہ ہمارا علم زمین وآسمان پر حاوی ہے۔ ہم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

(ابن کثیر ۱۰۳/۳، مظہری ۶۵/۶)

تیسرا سفر

۹۲، ۹۳۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا

صدفین: پہاڑ کی دو چوٹیاں۔ دونوں پہاڑوں کے درمیان کا خلا، واحد صدف ۔

افرغ: میں ڈال دوں گا۔ افراغ سے مضارع ہے۔

قطراً: پگھلا ہوا تانبہ۔

تشریح: پھر ذوالقرنین ایک تیسرے راستے پر چل دئے جو مشرق و مغرب کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک گھاٹی میں پہنچے جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھی جہاں ان کو ایک ایسی قوم ملی جو بات نہیں سمجھ سکتی تھی۔ انہوں نے ایک ترجمان کے ذریعہ ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی سرکشی اور فساد کا حال بیان کیا کہ وہ ادھر سے حملہ آتے ہیں آکر قتل و غارت کرتے ہیں، ہل بیلوں کو ہلاک کر دیتے ہیں اور ہماری کھیتیوں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ یاجوج و ماجوج بھی انسان ہیں۔

پھر ان لوگوں نے ذوالقرنین کی طاقت و قوت اور عقل و تدبر کو دیکھ کر ان سے درخواست کی کہ اگر آپ رضامند ہوں تو ہم اس شرط پر آپ کے لئے بہت مال جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان کوئی روک یا دیوار بنا دیں تاکہ وہ ہماری طرف نہ آسکیں اور ہم ان کی سرکشی اور فساد سے بچ جائیں۔

ذوالقرنین نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے اور وہ تمہارے مال سے بہت بہتر ہے۔ اس لئے مجھے مال کی ضرورت نہیں البتہ تم اپنی قوت و طاقت اور جسمانی محنت سے میری مدد کرو تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں۔ تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا کر دو۔ پھر جب انہوں نے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا کر جمع کر دیئے تو ذوالقرنین نے دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک لوہے اور پتھر وغیرہ سے ڈھک دی۔ پھر تانبہ پگھلا کر اس دیوار پر ڈال دیا جس سے وہ بہت مضبوط اور پختہ ہو گئی اور دیکھنے میں ایسی معلوم ہونے لگی جیسے کوئی دھاری دار چادر ہو۔

(حقانی ۳۱۹/۳۔ مظہری ۹۵/۶، ۴۲، ۱۰)

یاجوج ماجوج کا دیوار توڑنے سے عاجز ہونا

۹۸،۹۷۔ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝

پس (اس مستحکم اور بلند دیوار تیار ہو گئی کہ) یاجوج و ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے (دیوار کو دیکھ کر) ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی عنایت ہے۔ پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اس کو ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ حق ہے۔

يَّظْهَرُوْهُ : وہ اس پر چڑھیں گے۔ وہ اس پر غالب آئیں گے۔ ظُهُوْرٌ سے مضارع۔

دَكَّآءَ : ریزہ ریزہ کرنا۔ برابر کرنا۔ جمع دَكَاوَاتٌ۔

نَقْبًا : نقب دینا۔ شگاف دینا۔ سوراخ کرنا۔

تشریح: جب دیوار تیار ہو گئی تو اس کی بلندی اور مضبوطی کی وجہ سے یاجوج و ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس کو توڑ سکتے تھے کہ وہاں سے نکل آئیں۔

دیوار کی تعمیر سے فارغ ہو کر ذوالقرنین نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے مخلوق کو ان شریروں کی شرارت سے محفوظ کر دیا۔ البتہ اللہ نے اس کے گرنے کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو یہ دیوار گر جائے گی اور یاجوج و ماجوج باہر نکل پڑیں گے۔

یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت

۹۹، ۱۰۱　وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝

اور اس روز ہم ان کی یہ حالت کر دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا۔ پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لیں گے اور اس روز ہم جہنم کو کافروں کے سامنے لائیں گے۔ جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ کچھ بھی نہ سنتے تھے۔

يَمُوْجُ: وہ موج مارے گا۔ وہ لہریں مارے گا۔ وہ گڈمڈ ہو گا۔

غِطَآءٍ: (غفلت کا) پردہ۔ جمع اَغْطِيَةٌ۔

تشریح: اپنے مقررہ وقت پر جب دیوار ٹوٹ جائے گی یاجوج وماجوج دھکم پیل کرتے، ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ٹڈی دل کی طرح امڈے چلے آئیں گے اور زمین پر پھیل کر فساد کریں گے۔ قتل وغارت کریں گے اور کھیتوں کو اجاڑ دیں گے۔

پھر فرمایا کہ قیامت برپا ہونے کے وقت مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے کے لئے صور پھونکا جائے گا اور حساب وکتاب اور جزا اور سزا کے لئے تمام مخلوق کو جمع کر دیا جائے گا۔ پھر اس روز ہم جہنم کو کافروں کے بالکل سامنے لا کھڑا کریں گے۔ اس وقت وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کریں گے۔ یہ کافر لوگ وہ ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنی آنکھوں پر غفلت اور جہالت کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ ان کو اللہ کی ذات وصفات اور توحید وعظمت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ اس کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کو یاد نہیں کرتے تھے اور نہ وہ کسی وعظ

آیتوں اور رسولوں کا مذاق اڑایا تھا۔

اعتدنا :　ہم نے تیار کیا۔ اعتاد سے ماضی۔

حسنۃ :　کاریگری۔ بنانا۔ کام کرنا۔

لقائہٖ :　اس کی ملاقات۔

حبطت :　وہ باطل ہو گئے۔ وہ ضائع ہو گئے۔ حبط سے ماضی۔

تشریح : کیا ان کافروں کا خیال یہ ہے کہ انہوں نے مجھے چھوڑ کر مخلوق میں سے جن کو اپنا کارساز اور حاجت روا بنا رکھا ہے وہ ان کو نفع پہنچائیں گے یا ان کی حمایت و شفاعت کریں گے۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ ایسا سوچنا ہی بڑی نادانی ہے کیونکہ مالک کے مقابلے میں اس کی مخلوق جو خود اس کی محتاج ہے وہ کسی کے کیا کام آ سکتی ہے۔ بلاشبہ ہم نے کافروں کی مہمانی اور ضیافت کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

اے پیغمبر ﷺ! آپ ان کو کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ان لوگوں کے بارے میں خبر دوں جو قیامت کے روز اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان میں ہوں گے اور ان کی دنیوی زندگی میں کی ہوئی تمام کوششیں اکارت گئیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کو ان کے اعمال کا ثواب ملے گا۔ لیکن ان کا یہ گمان غلط ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو جھٹلایا سو ان کے کفر کی وجہ سے ان کے تمام اعمال اکارت گئے اور وہ خالی ہاتھ رہ گئے۔ پس نہیں کہ قیامت کے روز ان کے اعمال کی ذرا بھی قدر و قیمت نہ ہوگی بلکہ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا کیونکہ انہوں نے دنیا میں کفر کیا تھا۔ ہماری آیتوں اور ہمارے پیغمبروں کا مذاق اڑایا تھا۔

نیک لوگوں کے انعامات

۱۰۷، ۱۰۸۔　اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ○ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا ○

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کہیں اور جانا نہ چاہیں گے۔

اَلْفِرْدَوْس: جنت کا نام۔ جنت کا افضل مقام۔

حِوَلًا: جگہ بدلنا۔ پلٹنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ہمارے رسولوں کو سچا مانا اور ان کی اتباع کرتے ہوئے نیک اعمال کئے تو ایسے لوگوں کے لئے جنت الفردوس ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان کو کبھی وہاں سے اکتا کر نکلنے کا خیال آئے گا۔ اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں۔

ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے سو درجات ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان اور زمین کے درمیان۔ فردوس جنت کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ اسی سے جنت کی چار نہریں نکلتی ہیں اس سے اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ سے (جنت کی) دعا مانگو تو فردوس کی دعا کیا کرو۔ (مظہری ۲۷/۶)

اللہ کے بے شمار کلمات

۱۱۰،۱۰۹۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ○ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں پوری ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے اگرچہ اس سمندر کی مثل ہم ایک دوسرا سمندر مدد کے لئے لے آئیں۔

آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے تو اس کو چاہئے کہ وہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

مِدَادًا: روشنائی۔ سیاہی۔ اسم ہے۔

نَفِدَ: وہ (لکھتے لکھتے) ختم ہو جائے۔ نَفَدٌ و نَفَادٌ سے ماضی۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ کے علوم کا لامحدود و لامتناہی ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر لکھنے کے لئے سمندر کو روشنائی بنا دیا جائے اور پھر اس روشنائی سے اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو روشنائی کا یہ سمندر ختم ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی ایک اور سمندر لے آئیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے کلمات غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر متناہی کو نہیں لکھ سکتا۔

پھر فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں فرشتہ نہیں بلکہ تمہارے ہی جیسا انسان ہوں۔ میں غیب سے واقف نہیں البتہ میں انسان ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کا نبی ہوں۔ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ تمہارے سوال کرنے پر میں نے جو اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعے بیان کئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی نے وحی کے ذریعے مجھے بتائے۔ ان واقعات کا ٹھیک ٹھیک بیان کرنا بھی میری نبوت و رسالت کی دلیل ہے۔ لہٰذا تم مجھ پر ایمان لاؤ اور شرک و بت پرستی سے توبہ کرو۔ میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ جس طرح تم اس کے بندے ہو میں بھی اسی کا بندہ ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا ہے۔ اس لئے تم مجھے اس کا رسول مانو۔ میں تمہیں اللہ کا حکم سناتا ہوں کہ جس شخص کو اللہ سے ملنے کی توقع اور امید ہو اور اس کی رضا مطلوب ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرے اور شریعت کے مطابق نیک کام کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/ ۳۰۶، ۳۰۷)

دونوں میں اس کی حمایتیں اور مہربانیاں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے مخلص اور وفادار بندوں کی ہر موقع پر دستگیری کرتا ہے۔ اس لئے ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے اور اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: حضرت زکریاؑ کی دعا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت اور پھر بشارت پوری ہونے کی علامت اور حضرت یحییٰؑ کے اوصاف حمیدہ کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت مریمؑ کا واقعہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے خطاب اور حضرت عیسیٰؑ کی حقیقت کا بیان ہے۔ آخر میں کافروں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا قصہ اور حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کا بیان ہے۔

رکوع ۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ۔ حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت ادریسؑ کے واقعات اور انعام یافتہ لوگوں کا بیان ہے۔ پھر اہل سعادت و اہل شقاوت کا انجام مذکور ہے۔

رکوع ۵: مرنے کے بعد زندہ ہونے، منکرین کے شبہات، کفار کا استہزا اور ایک کافر کا یہ بیہودہ دعویٰ کہ اس کو آخرت میں مال و اولاد ملیں گے، مذکور ہیں۔

رکوع ۶: کافروں کے لئے بتوں کا باعث ذلت ہونا۔ قیامت کے روز کافروں کی حالت اور اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔
آخر میں مومنین صالحین کا حال مذکور ہے۔

حروف مقطعات

۱۔ کھیٰعص

یہ حروف مقطعات ہیں جو قرآن کریم کی بہت سی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ یہ خاص رموز ہیں جن کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ لوگوں کو نہیں بتائے گئے۔ اس لئے عوام الناس کو ان

کے معنی اور تاویل میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بس ان حروف کو اللہ کا کلام سمجھنا چاہئے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا

۲-۶۔ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ○ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ○ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ○ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ○ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ○

(یہ) ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی تھی۔ جبکہ اس نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا۔ (اس نے) کہا اے میرے رب بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر میں بڑھاپا چمکنے لگا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ سو تو اپنی طرف سے مجھے ایک وارث عطا فرما۔ جو میرا وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی اور اے میرے رب اس کو پسندیدہ بنا۔

وَهَنَ: وہ کمزور ہو گئی۔ وَهْنٌ سے ماضی۔

اِشْتَعَلَ: اس نے شعلہ مارا۔ اس کے بالوں کی سفیدی چمک گئی۔ وہ چمک اٹھا۔ اِشْتِعَالٌ سے ماضی۔

شَيْبًا: بڑھاپا، بالوں کی سفیدی، مصدر ہے۔

عَاقِرًا: بہت بوڑھی، بانجھ، عَقْرٌ و عَقَارَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک زبردست پیغمبر تھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ آپ بڑھئی کا کام کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ حضرت زکریا بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی جو حضرت مریم کی خالہ تھیں، بانجھ تھیں۔ ان کے اولاد نہیں تھی اور ان کو اپنے رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ ان کے بعد دین میں تغیر و تبدل اور تحریف نہ کر ڈالیں۔ اس لئے ایک روز انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و زاری کے ساتھ دعا کی اے میرے رب! میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں۔ میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں، میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی کے ساتھ بدل گئی ہے۔ مجھے اندرونی اور بیرونی ضعف نے گھیر لیا ہے۔ میں تیرے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں گیا۔ جب بھی تجھ سے کچھ مانگا تو نے اپنے کرم سے عطا فرما دیا۔

میں اپنی موت کے بعد اپنے رشتہ داروں اور وارثوں سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ میرے بعد دین کی حفاظت میں سستی نہ کریں یا دنیوی اغراض کے لئے اس میں تحریف کر دیں، جیسا کہ بنی اسرائیل کرتے رہے ہیں۔ اے میرے پروردگار! میں تیرے دین کی حفاظت اور خدمت کی غرض سے یہ دعا کر رہا ہوں۔ میری بیوی تو شروع ہی سے بانجھ ہے۔ ظاہری اسباب میں اولاد کا کوئی امکان نہیں۔ اس لئے اے میرے رب! تو مجھے خاص اپنی طرف سے بلا اسباب ہی ایک ایسا فرزند عطا کر جو میرے بعد میری نبوت کا وارث اور دین کا نگہبان ہو اور اولاد یعقوب کا بھی وارث ہو اور اے اللہ! تو اسے اپنا مقبول اور پسندیدہ بنا لے۔

(ابن کثیر ۱۱۰، ۱۱۱/ ۳، مظہری ۲۲۰، ۲۲۱/ ۳)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت

۷۔۹۔ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُہٗ یَحْیٰی لا لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا O قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا O قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ

هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝

(ہم نے کہا) اے زکریا، ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی بھی پیدا نہیں کیا۔ (زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اسی طرح ہوگا۔ تیرے رب کا قول ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور اس سے پہلے میں نے تجھے بھی پیدا کیا ہے حالانکہ تو کچھ بھی نہ تھا۔

عِتِيًّا: انتہائی بڑھاپا، حد سے تجاوز کرنا۔ مصدر ہے۔

هَيِّنٌ: آسان۔ هَوْنٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: فرشتے نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریا علیہ السلام کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو ایک نیک فرزند عطا ہوگا جس کا نام یحییٰ (یوحنا) ہوگا۔ اس سے پہلے اس نام کا کوئی اور انسان نہیں ہوا۔ بعض مفسرین نے یہاں سمیّ کے معنی تشبیہ کے لئے ہیں یعنی ان سے پہلے اس شان اور صفت کا کوئی شخص نہیں ہوا۔ بعض نے یہ معنی بیان کئے کہ اس سے پہلے کسی بانجھ عورت کے ایسی اولاد نہیں ہوئی۔

یہ خوشخبری سن کر حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنی بڑھاپے کی حالت اور بیوی کے بانجھ ہونے کا خیال کر کے تعجب ہوا۔ فرشتے نے کہا کہ تعجب کی کیا بات ہے اسی حالت میں تمہارے لڑکا پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری قدرت عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ اس سے زیادہ تعجب اور قدرت والا کام تو خود تمہاری پیدائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس وقت پیدا کیا جب وہ کچھ نہ تھا۔ پس جو خدا تمہاری پیدائش پر قادر ہے وہ تمہیں بلا اسباب اولاد دینے پر بھی قادر ہے کیونکہ اسباب بھی وہی پیدا کرتا ہے۔

(حقانی ۳۳ ـ ۳ / ۲۳۲ / ۳، ابن کثیر ۱۱۳ / ۳)

بشارت پوری ہونے کی علامت

۱۰-۱۱- قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝

(زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین رات تک بات نہ کر سکے گا حالانکہ تو تندرست ہوگا۔ پھر حضرت زکریا محراب سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو اشارے سے کہا کہ صبح و شام (اللہ کی) تسبیح کیا کرو۔

تشریح: جب حضرت زکریا علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں اس وعدے سے مطمئن تو ہو گیا ہوں لیکن میرے لئے اس کی کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے جس سے معلوم ہو جائے کہ تیرے وعدے کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے تاکہ میں تیرے شکر میں مشغول ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو تیری زبان کسی مرض یا عذر کے بغیر خود بخود تین دن اور تین رات کے لئے بند ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت زکریا کچھ بات نہ کر سکتے تھے صرف اشاروں سے اپنا مطلب سمجھاتے تھے البتہ تسبیح و استغفار اور حمد و ثنا پر زبان چلتی تھی۔

پھر حضرت زکریا اپنی محراب یعنی خاص عبادت گاہ سے نکل کر باہر آئے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم صبح و شام اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرو۔ اس علامت کے کچھ عرصے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(حقانی ۲۰۰/۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۵/۵)

حضرت یحییٰ کے اوصاف حمیدہ

۱۲-۱۵۔ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ○ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۗ وَكَانَ تَقِيًّا ○ وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ○ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ○

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور ہم نے ان کو لڑکپن میں ہی سمجھ عطا کر دی۔ اور ان کو اپنی طرف سے رحم دلی اور پاکیزگی عنایت کی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔ اور اپنے والدین کے ساتھ بہت نیکی کرنے والے تھے۔ اور وہ سرکش اور نافرمان نہ تھے۔ اور ان پر سلام ہو، جس دن وہ پیدا ہوئے، جس دن ان کو موت آئے گی اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

صَبِيًّا : بچہ، لڑکا۔ جمع صِبْيَانٌ۔

حَنَانًا : مہربانی، رقت قلب، رحمت، شفقت، مصدر ہے۔

بَرًّا : نیکی کرنے والا، بھلائی کرنے والا۔ بِرٌّ سے صفت مشبہ۔

تشریح: ان آیتوں میں حضرت یحییٰؑ کے اوصاف حمیدہ بیان کئے گئے ہیں۔ جو ان کو لڑکپن ہی میں دیئے گئے تھے۔

۱۔ بچپن ہی میں ان کو حکمت اور کتاب کی سمجھ عطا کر دی تھی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تین سال کی عمر میں توریت پڑھ لی تھی اور سمجھ لی تھی۔ جب بچے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کھیلنے کے لئے بلاتے تھے تو وہ ان کو جواب دیتے تھے کہ ہمیں اس کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔

۲۔ وہ نہایت مہربان اور رقیق القلب تھے۔

۳۔ ظاہر و باطن میں پاکدامن تھے۔

۴۔ نہایت پرہیزگار، خدا ترس اور اطاعت گزار تھے۔ نہ کبھی گناہ کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا۔

۵۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے اور مہربان تھے۔

۶۔ سرکش و خود سر اور اللہ کے نافرمان نہ تھے۔

انہی خوبیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ سلامتی اور رحمت ہو ان پر پیدا ہونے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے دن۔

(مظہری ۸۶،۸۷/۶، حقانی ۳۴۳/۳)

حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ

۱۶-۲۱۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۠ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝

اور اس کتاب میں آپ مریم کا ذکر بھی کیجئے جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے کنارہ کر کے ایک ایسے مکان میں جا بیٹھی جو مشرق کی جانب تھا۔ پھر ان لوگوں کے سامنے انہوں نے پردہ ڈال لیا۔ پھر ہم نے ان کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا سو وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ (مریم نے) کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو پرہیزگار ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تمہیں پاکیزہ لڑکا دوں۔

(مریم نے کہا) میرے کہاں سے لڑکا ہو گا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے
ہاتھ بھی نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتے نے کہا اسی طرح
ہو گا۔ تیرے رب کا قول ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور (ہم یہ
اس لئے کریں گے) تاکہ ہم اس لڑکے کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت
کی) ایک نشانی بنا دیں اور باعث رحمت بنا دیں اور یہ ایک طے شدہ بات
ہے (جو ضرور ہو گی)۔

انتبذت: وہ علیحدہ ہوئی۔ انتباذٌ سے ماضی۔

سویًا: سیدھا، درست، بالکل ٹھیک ٹھاک۔ سواءٌ سے صفت مشبہ۔

اھب: میں بخشوں، میں دیدوں۔ وھبٌ سے مضارع۔

بغیًا: زناکار، بدکار۔ بغیٌ سے صفت مشبہ۔

مقضیًا: فیصلہ شدہ، طے شدہ۔ قضاءٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کنواری تھیں انہیں کسی مرد کا ہاتھ تک نہیں لگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے انہیں حضرت عیسیٰ جیسا فرزند عطا فرمایا جو اللہ کے برگزیدہ پیغمبر اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس قرآن کے اس خاص حصے کو پڑھ کر سنائیے جس میں حضرت مریم کا قصہ مذکور ہے کہ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر غسل کے لئے ایک ایسے مکان میں گئیں جو مشرق کی جانب تھا، تو انہوں نے اپنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا تاکہ اس کی آڑ میں غسل کر لیں۔ جب وہ غسل کر کے کپڑے پہن چکیں تو اس وقت ہم نے ان کے پاس اپنا فرشتہ یعنی جبرائیل امین کو بھیجا۔ سو وہ پورا آدمی بن کر حضرت مریم کے سامنے نمودار ہوا۔ وہ آدمی کی شکل میں اس لئے نظر آئے تاکہ حضرت مریم ان کو دیکھ کر خوف زدہ نہ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے حضرت مریم کی پاکبازی کا امتحان مقصود ہو۔

حضرت مریم حضرت جبرائیل کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر دور ہی سے پکار کر کہنے

لگیں کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تو متقی و پرہیزگار ہے تو یہاں سے ہٹ جا اور مجھ سے تعرض نہ کر۔ حضرت جبرائیل نے کہا کہ میں کوئی بشر اور آدمی نہیں ہوں اس لئے مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں تاکہ میں اللہ کے حکم سے تجھے ایک ایسا لڑکا عطا کردوں جو گناہوں سے پاک اور معصوم ہوگا۔

حضرت مریمؑ نے حیرت و تعجب سے جواب دیا کہ میرے لڑکا کیسے ہوگا۔ مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور نہ میں نے کبھی بدکاری کی۔ حضرت جبرائیل نے کہا کہ اسی طرح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بغیر باپ کے ہی لڑکا عطا فرمائے گا کیونکہ تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ بغیر باپ کے بیٹا عطا کرنا مجھ پر آسان ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کی نشانی اور رحمت کا نشان بنادیں تاکہ جو اس پر ایمان لائے وہ ہدایت پائے۔ اور اس بچے کا باپ کے بغیر پیدا ہونا طے شدہ امر ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۸۰،۴۸۱/ ۴، مظہری ۸۷-۸۹/ ۶)

حضرت مریم کا حمل اور درد کی تکلیف

۲۲-۲۶۔ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝

سو مریم کو (خود بخود) حمل رہ گیا پھر وہ اس (حمل) کو لے کر دور کسی گوشہ میں رہنے لگی۔ پھر درد زہ کے مارے کھجور کے تنے کی طرف آئی،

ہے کہ شریعت بنی اسرائیل میں اس وقت تک موت کی تمنا کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حالتِ اضطرار میں ان کی زبان سے بلا ارادہ یہ الفاظ نکل گئے، یا ان کو اپنے دین کی تباہی کا خیال پیدا ہو گیا اور انہوں نے یہ الفاظ دینی تحفظ کے پیشِ نظر کہے۔

وہ مقام جہاں حضرت مریمؑ کھجور کے درخت کے نیچے تشریف رکھتی تھیں قدرے بلند تھا۔ فرشتے نے مریمؑ کو وادی کے نیچے کی جانب سے آواز دی کہ غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ تیرے پروردگار نے غیب سے تیرے نیچے وادی میں ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور اس سوکھے درخت کو ہرا بھرا اور پھل دار کر دیا ہے۔ اس طرح اس نے تیرے کھانے پینے کا انتظام کر دیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو حکم دیا کہ وہ کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف کو ہلائے اس سے اس کے اوپر چھتہ اور تر و تازہ کھجوریں جھڑیں گی۔ سو اے مریم تو اس پھل کو کھا اور نہر کے پانی کو پی اور اس فرزندِ دلبند سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ اے مریمؑ یہ تو تیری راحت کا سامان ہوا اور جس بدنامی کا تجھے خوف ہے اس کا انتظام یہ ہے کہ اگر اس کے بعد تو کسی آدمی کو دیکھے اور وہ تجھ سے تیرے بیٹے کا حال پوچھے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے آج اللہ کے لئے خاموش رہنے کی نذر مانی ہے۔ اس لئے آج میں کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۸۱-۴۸۲/۴، مظہری ۸۹-۹۲/۶)

حضرت عیسیٰؑ کا قوم سے خطاب

۲۷-۳۳۔ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ○ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ○ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ○ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ○ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ

وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝

پھر وہ اس (بچے) کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ اے مریمؑ تو تو ایک عجیب چیز لائی ہے۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔ پھر مریمؑ نے اس (لڑکے) کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم گود کے بچے سے کیسے بات کر سکتے ہیں۔ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اللہ نے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔ اور مجھے بابرکت بنایا، جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں۔ اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

فَرِيًّا: جھوٹ، بہتان،

اُخْتَ: بہن، جمع اخواتٌ

سَوْءٍ: برائی، گناہ، آفت

اَلْمَهْدِ: گود، گہوارہ، جھولا

مَا دُمْتُ: جب تک تو رہے۔ دَوْمٌ و دَوَامٌ سے ماضی، فعل ناقص ہے۔

تشریح: پھر حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰؑ کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم والوں کے پاس آئیں۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت مریم حضرت عیسیٰ کی ولادت کے چالیس روز بعد اپنے گھر والوں کے پاس آئیں جب نفاس سے فراغت و طہارت ہو چکی تھی۔ وہ لوگ بڑے دیندار اور نیکوکار تھے۔ حضرت مریم کے ساتھ بچے کو دیکھ

کر کہنے لگے کہ اے مریم تو نے یہ بہت ہی برا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی پھر تو نے یہ کیا کیا۔

حدیث میں ہے کہ مریم کے بھائی کا نام ہارون تھا جن کا زہد و عبادت بنی اسرائیل میں ضرب المثل تھی۔ زہد و عبادت کے اعتبار سے حضرت مریم بھی اپنے بھائی کی مانند تھیں اس لئے ان کو ہارون کی بہن کہا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ حضرت ہارون کی نسل سے تھیں اس لئے ہارون کی بہن کہا گیا۔

قوم کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر حضرت مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اسی سے پوچھ لو۔ اس پر لوگوں کو مزید غصہ آیا اور کہنے لگے کہ ایک تو تو نے جرم کیا اور پھر ہم سے مذاق بھی کر رہی ہو۔ بھلا ہم گود کے بچے سے کیا پوچھیں وہ ہمیں کیا بتائے گا۔ اتنے میں حضرت عیسیٰ قوم کی طرف رخ کر کے بول اٹھے کہ بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں یعنی خود اللہ یا اس کا بیٹا نہیں جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے۔ یعنی میں جھوٹا اور افترا کرنے والا نہیں۔ اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے۔ میں جہاں بھی رہوں اور جس جگہ بھی جاؤں خیر و برکت میرے ساتھ رہے گی۔ جب تک میں دنیا میں زندہ ہوں اللہ نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید فرمائی ہے اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے اور اس نے مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا کہ اس کا حکم نہ مانوں مجھ پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

(روح المعانی ۸۷۔۹۰/۱۶، مظہری ۹۲۔۹۳/۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت

۳۴۔۳۶۔ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ○ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ

یہ ہے مریم کا بیٹا عیسیٰ (یہ ہے) سچی بات جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں۔ اللہ ایسا نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ذات ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے اور بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، سو تم اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر مختلف گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔

یمترون: وہ شک کرتے ہیں۔ امتراءٌ سے مضارع۔

احزاب: گروہ۔ جماعتیں، واحد حزبٌ

تشریح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود و نصاریٰ کے بیہودہ خیالات و اعتقادات میں افراط و تفریط کا یہ عالم تھا کہ نصاریٰ نے تو ان کی تعظیم میں اتنا غلو کیا کہ ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور یہود نے ان کو اتنا گرایا کہ یوسف نجار کی ناجائز اولاد کہہ دیا۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ دونوں کو غلط بتا کر حضرت عیسیٰ کی حقیقت واضح فرما دی کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ یہی حق اور سچ ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ اپنے لئے اولاد اختیار کرے۔ اس کی ذات ان ظالموں کے اعتقادات اور خیالات سے پاک ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس کام کے لئے کسی قسم کے سامان و اسباب کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ اس کے صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہو جا وہ کام ہو جاتا ہے۔ پس جو خدا ایسا قادر مطلق ہے اس کو اولاد کی حاجت نہیں۔

حضرت عیسیٰ نے اپنی ماں کی گود میں سے لوگوں کے ساتھ جو باتیں کی تھیں ان میں سے یہ بھی تھی کہ انہوں نے لوگوں سے کہا تھا کہ بیشک میرا اور تمہارا رب اللہ ہے سو تم سب اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا اور توحید کا راستہ ہے جو میں اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہوں۔ جو اس راستے پر چلے گا وہی ہدایت پائے گا اور جو اس کے خلاف کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔

پس حضرت عیسیٰ کے بارے میں حقیقت واضح ہونے کے باوجود لوگ مختلف

گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ کسی نے کہا یہ خدا ہے۔ کسی نے کہا کہ خدا کا بیٹا ہے۔ کسی نے کہا کہ ان کا کلام وغیرہ سب جادو کا کرشمہ ہے۔ البتہ ایک گروہ نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہی بات صحیح ہے۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں اہل اسلام کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہی تعلیمات خداوندی ہیں۔ (ابن کثیر ۳/۱۲۰، ۱۲۱، روح المعانی ۹۱، ۹۲/۱۶)

کفار کا انجام

۳۷۔۴۰۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝

سو کافروں کے لئے ایک بڑے دن میں جب انہیں (اللہ کے سامنے) حاضر ہونا پڑے گا، بڑی خرابی ہے۔ جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے اس دن تو وہ کیا ہی خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے۔ لیکن آج یہ ظالم صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرائیے جب کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں۔ بیشک تمام زمین اور زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث ہوں گے اور سب ہمارے ہی پاس لوٹائے جائیں گے۔

وَيْلٌ: ہلاکت ہے، بڑی خرابی ہے، کلمۂ زجر و عذاب ہے۔

مَشْهَد: شہادت دینے، حاضر ہونا، گواہی دینے کی جگہ۔ شُهُوْدٌ، شَهَادَةٌ سے اسم ظرف۔

تشریح : جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں ان کے لئے قیامت کے دن بڑی بربادی اور شدید عذاب ہے۔ یہ کافر جو آج دنیا میں بہرے اور اندھے بنے ہوئے ہیں، نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، قیامت کے روز جب یہ ہمارے سامنے آئیں گے تو اس وقت یہ خوب سننے اور دیکھنے والے ہوں گے۔ لیکن اس وقت کا سننا اور دیکھنا ان کو کچھ نفع نہ دے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے ڈرائیے جب تمام اعمال کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے اور موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر اہل جنت، جنت کے اندر اور اہل دوزخ، دوزخ کے اندر، کبھی نہیں مریں گے۔ اس حسرت و ندامت سے آج یہ غافل ہیں بلکہ اس پر یقین بھی نہیں رکھتے کہ واقعی ایسا دن آنے والا ہے۔

بخاری، مسلم اور ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کو ایک بڑے مینڈھے کی شکل میں (قیامت کے دن سب کے سامنے) لایا جائے گا۔ پھر ایک منادی پکارے گا۔ اے اہل جنت، جنت والے سر اٹھا کر جھانک کر دیکھیں گے۔ منادی کہے گا کیا اس کو پہچانتے ہو۔ اہل جنت کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے۔ پھر وہ منادی پکارے گا اے اہل دوزخ تو وہ سر اٹھا کر اور جھانک کر دیکھیں گے۔ پھر وہ منادی کہے گا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو۔ اہل دوزخ کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے۔ پھر سب کی نظروں کے سامنے جنت اور دوزخ کے درمیان موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر وہ منادی کہے گا کہ اے اہل جنت یہاں ہمیشہ رہنا ہے اب موت نہیں آئے گی اور اے اہل دوزخ (تمہیں بھی) یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اب موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

پھر فرمایا کہ بیشک جب سب زمین والے فنا ہو جائیں گے اور کسی کا ملک و ملک باقی نہ ہو گی تو ہم ہی باقی رہیں گے اور ہم ہی ان کے مال و متاع کے وارث ہوں گے اور آخرت میں سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اس وقت ہم ان کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیں گے۔ (روح المعانی ۹۳۔ ۹۴/ ۱۶، ابن کثیر ۱۲۵/ ۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

۴۱-۴۵۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝

اور اس کتاب میں آپ ابراہیم کا ذکر بھی کیجئے۔ بیشک وہ نہایت سچے نبی تھے۔ جب اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ آپ اس چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتی ہے اور نہ دیکھ سکتی ہے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکتی ہے۔ اے میرے باپ! بیشک میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا سو تم میرے کہنے پر چلو تاکہ میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کرو۔ بیشک شیطان تو اللہ کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر اللہ کا عذاب نہ آپڑے۔ پھر تم (بھی) شیطان کے ساتھی ہو جاؤ۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکین کے سامنے جو اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا متبع خیال کرتے ہیں، حضرت خلیل اللہ کا واقعہ بیان کر دیجئے کہ اس سچے نبی نے اپنے باپ کی بھی پرواہ نہ کی اور اس کے سامنے حق کا اعلان کیا اور اس کو بت پرستی سے روکا کہ تو ان بتوں کی پوجا کیوں کرتا ہے۔ عبادت کے وقت جب تو ان بتوں کی ثنا کرتا

ہے۔ اس وقت یہ بت نہ تیری بات سنتے ہیں اور نہ تیرے خشوع و خضوع کو دیکھتے ہیں اور نہ ان کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ تجھے کسی قسم کا نفع یا ضرر پہنچا سکیں۔

اے میرے باپ! اللہ کی طرف سے جو علم مجھے ملا ہے وہ تیرے پاس نہیں ہے اس لئے تو میری اتباع کر میں تجھے درست راستہ دکھاؤں گا، یعنی تجھے نجات اور بھلائی کے راستے پر لگا دوں گا۔ تو شیطان کی عبادت چھوڑ دے، کیونکہ وہ اللہ کا بڑا نافرمان ہے۔ اس نے اللہ کی فرماں برداری سے تکبر کیا جس کی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اگر تو نے اس کی عبادت کی تو وہ تجھے بھی اپنی حالت پر پہنچا دے گا۔ اے میرے باپ! تیرے شرک و عصیان سے تو مجھے خوف ہے کہ کہیں تجھ پر اللہ کا کوئی عذاب نہ آ جائے اور تو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں شیطان کا دوست اور ساتھی نہ بن جائے۔

(روح المعانی ۱۶/ ۹۷-۹۸، ابن کثیر ۳/ ۱۲۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا غصہ

۴۶-۴۸۔ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۝ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۝

اس نے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور سنگسار کر دوں گا اور ایک مدت کے لئے میرے پاس سے دور ہو جا۔ ابراہیم نے کہا تو میرا تمہیں سلام ہے۔ میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا کیونکہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ اور میں نے تمہیں بھی چھوڑا اور تمہارے ان معبودوں کو بھی جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو اور میں تو اپنے ہی رب کی

عبادت کروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کرکے محروم نہ
رہوں گا۔

رَاغِبٌ: رغبت کرنے والا، منہ پھیرنے والا۔ رَغْبَةٌ سے اسم فاعل۔

لَأَرْجُمَنَّكَ: میں تجھے ضرور سنگسار کروں گا۔ رَجْمٌ سے مضارع۔

مَلِيًّا: مدت دراز۔

حَفِيًّا: بڑا مہربان، بحث کرنے والا۔ حَفَاوَةٌ سے صفت مشبہ۔

أَعْتَزِلُكُمْ: میں تم سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔ اِعْتِزَالٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ابراہیمؑ کے باپ نے اپنے کفر و جہالت کی وجہ سے نہایت درشتی، بدخلقی اور سخت کلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے نفرت کرتا ہے اس لئے ان کی مذمت کر رہا ہے۔ اگر تو میرے معبودوں کو برا کہنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور سنگسار کر دوں گا۔ تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اچھا اللہ تعالیٰ تجھے ظاہری و باطنی آفتوں سے سلامتی عطا فرمائے میں اب جاتا ہوں اور تجھ سے رخصت ہوتا ہوں۔ البتہ میں تیرے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگتا رہوں گا۔ بے شک وہ مجھ پر بہت ہی مہربان ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ جب اس کا خاتمہ کفر پر ہو گیا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں اپنے دین کو لے کر تم سب عزیز و اقارب اور اہل وطن سے علیحدہ ہو کر اور ان بتوں کو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، چھوڑ کر ملک شام کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔ میں وہاں اپنے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں گا جو مجھے دیکھتا ہے اور میری دعا کو سنتا ہے۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا، جس طرح تم اپنے معبودوں کی پوجا کر کے محروم اور ناکام رہتے ہو۔

(مظہری ۹۹، ۱۰۰/۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

۴۹-۵۰۔ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ○

پھر جب ابراہیم نے ان کو اور ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے تو ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے (بہت کچھ) عطا کیا اور ان کا ذکر خیر بلند کیا۔

تشریح: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے عزیز و اقارب اور اہل وطن اور ان بتوں کو چھوڑ کر جن کو وہ پوجتے تھے، ملک شام ہجرت کر گئے اور ان سے اپنی برأت اور علیحدگی کا اعلان کر دیا تو ہم نے ان کو کنبہ قبیلہ اور عزیز و اقارب چھوڑنے کے صلے میں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا فرمایا۔ پھر ان دونوں کو ہم نے نبوت عطا کی۔ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور تینوں کو اپنی رحمت اور برکت سے خاص حصہ دیا اور دنیا میں ان کا نام بلند کیا کہ ہر ایک ان کو خیر اور بھلائی کے ساتھ یاد کرتا ہے اور تمام اہل ملت اور دین ان کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

۵۱-۵۳۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ○ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ○

اور اس کتاب میں آپ موسیٰ کا ذکر کیجئے۔ بلاشبہ وہ اللہ کے خاص کئے

ہوئے (بندے) تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے اور ہم نے ان کو
کوہ طور کے دائیں جانب سے پکارا اور راز کی باتیں کرنے کے لئے ان کو
نزدیک کیا اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر
انہیں عطا کیا۔

تشریح: یہ چوتھا قصہ ہے جس میں حضرت موسیٰ کی پانچ صفتیں مذکور ہیں۔

ا۔ وہ اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندے تھے۔ ۲۔ رسول اور نبی تھے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا۔ ۴۔ ان کو اپنا مقرب بنایا۔ ۵۔ ان کی فرمائش سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنایا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کو حضرت موسیٰ کا قصہ پڑھ کر سنائیے۔ بلاشبہ حضرت موسیٰ خالص اللہ کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ وہ اللہ کے فرستادہ اور مخلوق کو احکام خداوندی سے آگاہ کرنے والے تھے۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک "نبی" کا لفظ عام ہے اور "رسول" خاص ہے۔ رسول وہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص امتیاز حاصل ہو مثلاً کوئی مستقل کتاب یا کوئی مستقل شریعت عطا ہوئی ہو۔ وغیرہ۔ نبی وہ ہے جو اللہ کی طرف سے خبر دے گو اس کے ساتھ کوئی مستقل کتاب یا مستقل شریعت نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت موسیٰ کو مبارک پہاڑ طور کی دائیں جانب سے آواز دی اور ان کو راز کی باتیں سنانے کے لئے اپنے قریب کر لیا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ آگ کی تلاش میں تھے اور دور سے آگ دیکھ کر کوہ طور کی طرف بڑھے تھے۔ ہم نے حضرت موسیٰ پر ایک مہربانی یہ بھی کی تھی کہ ہم نے ان کے بھائی حضرت ہارون کو بھی نبی بنا کر ان کی مدد کے لئے ان کے ساتھ کر دیا۔

(ابن کثیر ۱۲۵،۱۲۴ / ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۰۳،۵۰۲ / ۴)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا واقعہ

۵۴-۵۵۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝

اور اس کتاب میں آپ اسمٰعیل کا بھی ذکر کیجئے۔ بیشک وہ وعدے کے سچے تھے اور وہ رسول بھی تھے اور نبی بھی تھے۔ اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک بہت پسندیدہ تھے۔

تشریح: یہاں حضرت اسمٰعیل کا وعدے کا سچا ہونا ایک خاص امتیاز کے طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ سے یا کسی بندے سے جس چیز کا بھی وعدہ کیا اس کو نہایت اہتمام اور مضبوطی سے پورا کیا۔ انہوں نے اپنے والد حضرت ابراہیم کے خواب کے بعد اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ذبح کرنے کے لئے پیش کر دیں گے اور اس پر صبر کریں گے۔ وہ اس وعدے میں پورے اترے۔ ایک شخص نے ان سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا۔ حسبِ وعدہ حضرت اسمٰعیل وہاں پہنچ گئے۔ لیکن وہ شخص نہیں آیا تو آپ اس کے انتظار میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ پورا ایک دن رات گزر گیا۔ پھر جب اس شخص کو یاد آیا تو اس نے آکر دیکھا کہ آپ اس کے انتظار میں وہیں ٹھہرے ہیں۔ اس نے معذرت کی اور کہا کہ میں بھول گیا تھا۔

پس حضرت اسمٰعیل ہر حق ادا کرتے تھے اور ہر وعدہ پورا کرتے تھے کیونکہ وعدہ خلافی بہت بری چیز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور امانت میں خیانت کرنا۔ مومن ان آفتوں سے بچتے رہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ حضرت اسمٰعیل خصوصیت کے ساتھ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے ہاں برگزیدہ اور نہایت پسندیدہ تھے۔

(روح المعانی ۱۰۳/۱۶، ابن کثیر ۱۲۳، ۱۲۴/۳)

حضرت ادریس علیہ السلام کا واقعہ

۵۶۔۵۷۔ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْسَ ۡ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ○
وَّرَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا ○

اور اس کتاب میں آپ ادریس کا بھی ذکر کیجئے۔ بیشک وہ بڑے سچے (اور) نبی تھے۔ اور ہم نے ان کو بلند مقام پر پہنچایا۔

تشریح : یہ حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت نوح علیہ السلام کے جد امجد تھے۔ آپ کا اصل نام اخنوخ اور ادریس لقب ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے آپ ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ آپ درزی کا کام کرتے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے کپڑا سیا اور پہنا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ادریس قلم سے لکھنے، کپڑا سینے اور سیا ہوا کپڑا پہننے کے موجد ہیں۔ آپ سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالوں کو لباس کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے ہتھیار بنائے اور کافروں سے جنگ کی۔ کتاب، قلم، ترازو اور پیمانے بھی آپ ہی کی ایجاد ہیں۔ علم نجوم اور حساب کے بھی آپ ہی موجد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس قرآن میں سے لوگوں کو حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر پڑھ کر سنائیے۔ بلاشبہ وہ بڑے سچے اور سر تا پا صدق تھے۔ وہ نبی تھے۔ اللہ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے۔ ہم نے ان کو نبوت و رسالت اور قرب و معرفت الٰہی کا خاص مقام عطا فرمایا۔ بعض مفسرین کے نزدیک مکانا علیا سے مراد حضرت عیسیٰ کی طرح آسمان پر اٹھالینا ہے۔

(مظہری ۱۰۳، ۶/ روح المعانی ۱۰۵، ۱۶/)

انعام یافتہ انبیا

۵۸ـ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝

آدم کی نسل میں سے یہ وہ انبیا ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور ان (لوگوں کی نسل) میں سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب) کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور برگزیدہ کیا۔ جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے تھے۔

تشریح: جن انبیا کا ذکر اس سورت میں ہے یا اس سے پہلے ہو چکا ہے یا بعد میں ہوگا وہ سب وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا۔ ان انبیا میں بعض حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں جیسے ادریس علیہ السلام، بعض ان لوگوں کی نسل سے ہیں جن کو ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام جو سام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور سام بن نوح کشتی میں سوار تھے۔ ان میں سے بعض حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں جیسے اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام اور بعض اسرائیل یعنی حضرت یعقوب کی نسل سے ہیں۔ جیسے موسیٰ، ہارون، زکریا و یحییٰ علیہم السلام۔ یہ سب وہ لوگ تھے جن کو ہم نے ہدایت دی اور منصب نبوت کے لئے منتخب کیا۔ یہ ایسے برگزیدہ بندے تھے کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو وہ خوف و خشیت اور شوق و محبت سے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔

(روح المعانی ۱۰۵، ۱۰۶/۱۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۰۵، ۴۰۶/۴)

اہلِ سعادت و اہلِ شقاوت کا انجام

۵۹ ـ ۶۳۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۝ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝

پھر ان کی جگہ ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی پھر ان کی گمراہی بھی بہت جلد ان کے آگے آئے گی۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو یہی وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ وہ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے۔ بیشک اس کا وعدہ ہو کر رہے گا۔ وہ لوگ اس (بہشت) میں سلام کے سوا کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے اور وہاں صبح و شام ان کو ان کا رزق ملے گا۔ یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو پرہیزگار ہوگا۔

غَیًّا: گمراہی، عذاب، ہلاکت، یہاں عذاب مراد ہے۔

مَاْتِیًّا: لایا ہوا، آئی ہوئی، پہنچی ہوئی۔ اِتْیَانٌ سے اسم مفعول ہے۔

تشریح: انبیاء علیہم السلام حدود خداوندی کے محافظ اور نیک اعمال کے نمونے تھے۔ ان

مرنے کے بعد زندہ ہونے پر شبہات

۶۶۔۷۲۔ وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۝ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۝ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝

اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے (قبر سے باہر) نکالا جاؤں گا۔ کیا وہ انسان یاد نہیں کرتا کہ پہلے بھی ہم ہی نے اس کو پیدا کیا تھا اور وہ (اس وقت) کچھ بھی نہ تھا۔ سو (اے پیغمبر) آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب کو اور شیطانوں کو ضرور جمع کریں گے۔ پھر ہم ان کو دوزخ کے گرد اس حالت میں لائیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ پھر (ان کفار کے) ہر گروہ میں سے ہم ان لوگوں کو جدا کریں گے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ سے سرکشی کرتا تھا۔ پھر ہم خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو جہنم میں جانے کے زیادہ لائق ہیں اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو اس (جہنم) کے اوپر سے گزرنے والا نہ ہو۔ آپ کے رب نے یہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ پھر جو اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں ہم (دوزخ سے) بچا لیں گے اور ہم گنہگاروں کو اس میں اوندھے منہ گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

جثیا: زانوؤں پر گرے ہوئے، اوندھے گرے ہوئے۔ واحد جاثی۔

لَنَنزِعَنَّ: ہم ضرور کھینچ لیں گے، ہم ضرور الگ کردیں گے۔

شِيعَة: فرقہ، گروہ، جمع شِيَعٌ و اَشْيَاعٌ

عِتِيًّا: انتہائی بڑھاپا، حد سے تجاوز کرنا، بہت سرکشی کرنا، مصدر ہے۔

تشریح: منکرین قیامت کے نزدیک، قیامت کا آنا محال تھا۔ ان کے خیال میں موت کے بعد زندہ ہونا ناممکن تھا۔ وہ قیامت اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا حال سن کر تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی بن جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو کر نابود ہو جائیں گی تو پھر ہمیں دوبارہ زندہ کر کے کیسے قبروں سے نکالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ منکرین حشر، یہ نہیں سوچتے کہ جس خالق حقیقی نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھے، وہی قادر مطلق ان کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ انسان پہلی پیدائش کا تو قائل ہے اور دوسری دفعہ پیدا کرنے کا انکار کرتا ہے حالانکہ جس قادر مطلق نے اس کو پہلی دفعہ پیدا کر دیا جبکہ یہ کچھ بھی نہ تھا، اس کے لئے اس کو دوبارہ پیدا کرنا بہت آسان ہے۔

پھر فرمایا کہ تیرے رب کی قسم! قیامت کے روز ہم ان منکرین حشر کو زندہ کر کے میدان حشر میں ضرور جمع کریں گے اور ان کے ساتھ ان شیطانوں کو بھی جمع کر دیں گے جو دنیا میں ان کو بہکایا کرتے تھے۔ پھر ہم ان کو جہنم کے سامنے لا حاضر کریں گے۔ اس وقت یہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو ہم ان میں سے ان بڑے بڑے مجرموں اور سرکشوں کو الگ کر لیں گے جو دنیا میں سب سے زیادہ سرکشی کرتے تھے۔ تحقیق ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو دوزخ میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔

تم میں سے ہر ایک خواہ مومن ہو یا کافر دوزخ کے اوپر (پل صراط) سے گزرنے والا ہے کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے۔ اہل ایمان و تقویٰ اس پر سے صحیح و سالم گزر جائیں گے اور کافر سر اور گھٹنوں کے بل اس میں اوندھے جا گریں گے۔ گنہگار مسلمان بھی الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے لیکن کچھ مدت کے بعد ان کو ان کے نیک اعمال اور انبیاء اور نیک لوگوں کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ آخر میں جہنم میں صرف کافر رہ جائیں گے اور پھر

تشریح: جب ان کافروں کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں جن میں قیامت کے دلائل اور ان کافروں کے ذلت آمیز انجام کا ذکر ہوتا ہے تو وہ ان کے جواب سے عاجز آکر تمسخر واستہزاء کے طور پر غریب مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت قائم بھی ہوئی تو جس طرح مال ودولت اور عزو شرف کے اعتبار سے ہم دنیا میں تم سے اچھے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ہم تم سے اچھے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی نسلیں اور قومیں ہلاک کر چکے ہیں جو مال ودولت اور عزت وشوکت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے۔ جب انہوں نے انبیاء کی تکذیب کی اور ان کی شرارت وسرکشی حد سے بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ وبرباد کر دیا۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جو کافر اپنے مال ودولت کے نشے میں مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ حلیم وکریم ہے۔ وہ سرکشوں کو پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گمراہوں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے اور ان کی رسی کو دراز کرتا رہتا ہے۔ پھر جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو یکا یک ان کو دنیوی یا اخروی عذاب میں پکڑ لیتا ہے۔ اس وقت ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ عزت ومنزلت والا کون ہے اور ذلیل وحقیر کون؟

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۵،۵۱۴/۴)

مومنوں کے مراتبِ قرب میں اضافہ

۷۶۔ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا ○

اور جو راہ راست پر ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا رہتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہت ہی بہتر ہیں۔

وَیَاْتِیْنَا فَرْدًا ○

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیتوں کا منکر ہو گیا اور کہتا ہے کہ مجھے مال اور اولاد مل کر رہے گا۔ کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا یا اس نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔ ہرگز نہیں جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اسے لکھتے جاتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے جاتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اس کے وارث ہو جائیں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔

شانِ نزول: شیخین نے حضرت خباب بن ارت کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت خباب کہتے ہیں میں لوہار کا کام کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل کا کچھ کام کیا اور میری مزدوری اس کے پاس جمع ہو گئی۔ ایک روز میں اپنی مزدوری مانگنے اس کے پاس گیا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہیں کرے گا میں (تیرا قرض) ادا نہیں کروں گا۔ میں نے کہا خوب سن لے۔ خدا کی قسم جب تو مر کر دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے گا اس وقت تک بھی میں کفر نہیں کروں گا۔ عاص کہنے لگا کہ کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ میں نے کہا ہاں۔ عاص نے کہا تو پھر میرے پاس وہاں مال بھی ہو گا اور اولاد بھی، میں وہیں تیرا قرض چکا دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۶/۱۱۹)

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اس شخص یعنی عاص بن وائل کو دیکھا ہے جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور تمسخر کے طور پر کہتا ہے کہ بالفرض اگر قیامت ہوئی بھی تو مجھے وہاں بھی مال و اولاد دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا اس کافر کو غیب کا علم حاصل ہو گیا کہ وہ آخرت میں مال و دولت حاصل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے یا اس نے اللہ سے کوئی عہد و قرار لے لیا ہے کہ وہ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا۔ ہرگز نہیں۔ یہ سب غلط ہے وہاں اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ جھوٹا اور سخت گستاخ ہے۔ ہم اس کی یہ گستاخانہ بات اس کے اعمال نامے میں ضرور لکھ لیں گے۔ اور اس گستاخی کی وجہ سے ہم اس کے لئے عذاب ضرور بڑھاتے چلے جائیں گے اور جس مال و اولاد کا وہ ذکر کرتا ہے اس روز ہم

ہی ان کے وارث ہوں گے اور قیامت کے روز وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔

(مظہری ۱۰۹/۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵/۴)

بتوں کا باعثِ ذلت ہونا

۸۱-۸۴۔ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ○ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ○ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ○

اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ (اللہ کے ہاں) ان کے لئے باعث عزت ہوں۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو بہت جلد ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ (اے نبی) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطانوں کو چھوڑ رکھا ہے جو ان کو خوب ابھارتے رہتے ہیں۔ سو آپ ان کے لئے (عذاب کی) جلدی نہ کیجئے۔ بیشک ہم ان کی مدت گن رہے ہیں۔

ضِدًّا: مخالف، دشمن۔ جمع اضداد۔

تَؤُزُّهُمْ: وہ وہ (شیطانوں کی جماعت) ان کو ابھارتے ہیں۔ وہ ان کو ورغلاتے ہیں۔ اَزٌّ سے مضارع۔

عَدًّا: شمار کرنا، حساب کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: یہ کافر لوگ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ معبود اللہ کے ہاں ان کے لئے عزت کا سبب بنیں اور ان کی شفاعت کریں۔ یہ ان کا غلط خیال ہے۔ قیامت کے روز ان کے معبود ان کی حمایت و مدد کرنے کی بجائے الٹا ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے لئے ذلت و رسوائی کا سبب بنیں گے۔ یہ آپ کو معلوم

نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر مسلط کر رکھا ہے وہ ہر وقت ان کافروں کو نافرمانیوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔ آپ ان کے لئے جلد عذاب نازل ہونے کی دعا نہ کیجئے ہم نے خود ان کو ڈھیل دے رکھی ہے تاکہ یہ اپنے گناہوں میں بڑھتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔ ان کے ایام زندگی محدود و معدود ہیں۔ ہم ان کے سال، مہینے، دن اور وقت شمار کر رہے ہیں۔ مقررہ وقت پورا ہوتے ہی ان کو عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔

(ابن کثیر ۱۳۲، ۱۳۳/۳، مظہری ۱۱۷/۶)

کافروں کی ذلت و رسوائی

۸۵-۸۷۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ○ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا ○ لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ○

جس روز ہم پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمان بنا کر جمع کریں گے اور گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ وہ شفاعت کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمٰن سے اجازت لے لی ہو۔

نَسُوْقُ: ہم پہنچاتے ہیں۔ ہم چلاتے ہیں۔ سَوْقٌ سے مضارع۔

وِرْدًا: پیاسے۔ واحد وارِدٌ

تشریح: قیامت کے روز متقی اور پرہیزگار لوگوں کو اللہ کا مہمان بنا کر نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں پہنچایا جائے گا جبکہ کافروں کو نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ پیاس کی حالت میں دوزخ کی طرف ہنکایا جائے گا۔ اس روز کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کی اجازت دی ہو۔ جیسے انبیاء و صلحاء۔ انبیاء و صلحا بھی انہی لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کے لئے اللہ کی طرف سے ان کو اجازت ہوگی جیسے گنہگار

مسلمان، کافروں کے لئے کسی کو شفاعت کی اجازت نہ ہوگی۔

(مظہری ۱۱۸/۶، ۱۲۰، ۹/۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۰/۳)

اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کا انجام

۸۸-۹۵۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝

اور وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے بیٹا بنا لیا ہے۔ بیشک تم بہت بھاری (بری) بات (زبان پر) لائے ہو۔ کچھ بعید نہیں اس (گستاخی) پر ابھی آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں، اس بات پر کہ وہ اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں، اور رحمٰن کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں ایسا کوئی نہیں جو رحمٰن کے روبرو غلام ہو کر نہ آئے۔ بیشک اللہ نے ان سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور سب کی گنتی کر رکھی ہے اور قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا۔

اِدًّا : بھاری، بوجھل، بہت بھیانک معاملہ، ناپسندیدہ (بات)

تَكَادُ : قریب ہے، نزدیک ہے۔ كَوْدٌ سے مضارع۔

هَدًّا : کانپ کر، ٹوٹ کر۔ مصدر بمعنی مفعول۔

تشریح: کافر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اولاد اختیار کرلی۔ جیسے یہود عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسی سخت بات کی ہے جس سے آسمان پھٹ پڑیں اور ان کہنے والوں پر گر پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور یہ لوگ اس میں دھنس جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں کیونکہ یہ اس کی شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ یہ اس کے تقدس اور وجود کے سراسر خلاف ہے اس لئے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اس کے آگے غلاموں کی طرح دست بستہ ہے۔ پھر اس کو بیٹے کی کیا حاجت؟ اللہ تعالیٰ نے سب کا احاطہ کر رکھا ہے۔ کوئی بھی اس کے دائرہ علم و قدرت سے باہر نہیں۔ اس نے سب کو گن رکھا ہے۔ قیامت کے دن ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا۔ اس وقت نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ اس کے ساتھ اولاد ہوگی اور نہ اس کے معبود اس کے کام آئیں گے۔

(حقانی ۸ تا ۷/۳، مظہری ۱۴۰۔ ۱۴۲/۶)

مومنین صالحین کا حال

۹۶-۹۸۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ○ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ○ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ○

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو اللہ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔ سو ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر اس لئے آسان کر دیا تاکہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری سنائیں اور جھگڑالو قوم کو خوف دلائیں۔ اور ان سے پہلے ہم بہت سے گروہ ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا کسی کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ طٰہٰ

وجہ تسمیہ: سورت کی ابتداء لفظ طٰہٰ سے ہوئی ہے۔ یہ سورت اسی لفظ سے موسوم و مشہور ہو گئی۔ اس کا ایک نام الکلیم بھی ہے۔ جیسا کہ سخاوی نے جمال القرآن میں ذکر کیا ہے۔
(روح المعانی ۔ ۱۶/ ۱۴۹)

تعارف: اس میں آٹھ رکوع، ایک سو پینتیس آیتیں، ۱۳۵۱ کلمات اور ۵۲۹۹ حروف ہیں۔

یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ نبوت کے ابتدائی دور میں جن سورتوں کا نزول ہوا یہ سورت بھی انہی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں بعض انبیا کے جو واقعات ذکر کئے تھے ان میں سے بعض تفصیل کے ساتھ تھے جیسے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے واقعات اور بعض اختصار کے ساتھ تھے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ۔

اس سورت کے شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کی کچھ تفصیل ہے۔

ابن مردویہ نے ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت سے تمام قرآن اٹھا لیا جائے گا۔ سو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ پڑھیں گے۔ سوائے سورۂ طٰہٰ و یٰسین۔ وہ ان دونوں سورتوں کو جنت میں پڑھیں گے۔

دارمی، ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں، طبرانی نے اوسط میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے

رکوع ۵: بنی اسرائیل کی حماقت، حضرت موسیٰ کا حضرت ہارون اور سامری سے باز پرس کرنا اور سابقہ امتوں کے واقعات سنانے کی حکمت کا بیان ہے۔ پھر حشر میں مجرموں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۶: قیامت کے روز پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا اور کسی کے لئے کسی کی سفارش کا کام نہ آنا مذکور ہے۔ آخر میں منکرین کو ان کے کفر و شرک پر تنبیہ کی گئی ہے۔

رکوع ۷: حضرت آدم کو بھول، شیطان کا حضرت آدم کو بہکانا اور حضرت آدم کو زمین پر اترنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۸: منکرین کو تنبیہ و تہدید پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسباب عیش پر نظر نہ کرنے کی تاکید ہے۔ آخر میں کفار کی جانب سے معجزات طلب کرنے کا بیان ہے۔

حروفِ مقطعات

طٰہٰ: اس کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں۔

بعض کے نزدیک یہ حروف مقطعات ہیں۔ جن کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ اللہ کا نام ہے اور یہاں قسم کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یعنی طٰہٰ کی قسم۔

مقاتل بن حیان نے کہا کہ طٰہٰ کے معنی ہیں کہ زمین کو اپنے دونوں قدموں سے پامال کرو یعنی تہجد کی نماز میں اپنے دونوں پاؤں زمین پر قائم رکھو۔

بزار نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نازل ہوئی تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات (نماز میں) کھڑے رہنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سوج گئے۔ آپ ایک پاؤں ٹیکتے تھے تو دوسرا اٹھا لیتے تھے۔ اس پر جبرئیل اترے اور کہا طٰہٰ یعنی اے محمد اپنے دونوں پاؤں زمین پر رکھو۔ مجاہد، عطاء اور ضحاک نے کہا کہ طٰہٰ کا معنی ہے۔ اے مرد۔

کلبی نے کہا کہ عکل قبیلے کے محاورے میں طٰہٰ کا ترجمہ ہے: اے انسان۔
(مظہری ۱۳۴، ۱۳۵/۶)

قادرِ مطلق کا کلام

۲۔۸۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ○ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ○ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ○ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ○ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ○ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں بلکہ وہ تو ایک نصیحت ہے اس کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے (اور اس قرآن کا) اتارنا اس (ذات) کی طرف سے ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ وہ رحمٰن ہے (اور) جو عرش پر قائم ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ تحت الثریٰ میں ہے اور (اس کے علم کی یہ شان ہے کہ) اگر تو پکار کر بات کہے (تو اس کو تو وہ جانتا ہی ہے) بےشک وہ تو چھپی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب اچھے نام اسی کے ہیں۔

تَشْقٰی: تو مشقت اٹھائے۔ تاکہ تو مصیبت میں پڑے۔ شَقَاوَةٌ سے مضارع۔

اِسْتَوٰی: اس نے قصد کیا، وہ قائم ہوا۔ وہ غالب ہوا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

الثریٰ: گیلی مٹی، زمین کا سب سے نچلا حصہ، اسم ہے۔
تجہر: تو جہر کرتا ہے۔ تو پکارتا ہے، تو آواز بلند کرتا ہے۔ جہر" سے مضارع۔
السّرّ: وہ خفیہ بات جو آدمی چپکے سے دوسرے سے کہتا ہے۔ جمع اسرار"
اخفیٰ: وہ پوشیدہ بات جو آدمی اپنے دل میں چھپائے رکھتا ہے۔ اخفاءٌ سے اسم تفضیل۔

شانِ نزول: بغوی نے کلبی کا قول ذکر کیا ہے کہ مکہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ عبادت میں زیادہ سرگرم رہنے لگے۔ نماز میں طویل قیام کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں زمین پر ٹیکتے تو دوسرا اٹھا لیتے اور دوسرا ٹیکتے تو پہلا اٹھا لیتے تھے اور آپ رات بھر نماز میں مشغول رہتے تھے اس پر آیت ۲ نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ کفار آپ ﷺ کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ "یہ شخص اپنے رب کی وجہ سے بد نصیب ہو گیا" اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔
(مظہری ۱۲۵/۶)

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے یہ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت اور مصیبت میں پڑ جائیں بلکہ یہ تو نرم دل اور اللہ کا خوف رکھنے والوں کے لئے روحانی فیوض و برکات اور نصیحت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ کسی ایسے ویسے کا نازل کیا ہوا نہیں بلکہ اس کو اس ذات قادر و کامل نے نازل کیا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق و رازق ہے۔ وہ بڑی رحمت والا ہے۔ اس نے تخت حکومت پر بیٹھ کر تمام عالم کی تدبیر کی اور سب کا پورا پورا انتظام و بندوبست کیا۔

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے۔ سب کا خالق و مالک اور رب وہی ہے اور کوئی اس کا کسی درجے میں بھی شریک نہیں۔ اس کے علم کی شان یہ ہے کہ اگر تم پکار کر کوئی بات کہو تو اس کو تو وہ سنتا ہی ہے، وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ بات کو خوب جانتا ہے۔ وہ دل میں گزرنے والے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ وہ ان خیالات سے بھی واقف ہے جو آئندہ دل میں گزریں گے۔ وہ سننے کے لئے کسی آواز کا محتاج نہیں۔ سو اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق

نہیں۔ تمام اچھے نام اور تمام محمود صفات و کمالات اسی کے لئے مخصوص ہیں۔ اس شان و صفت کی حامل کوئی اور ہستی اس کائنات میں موجود نہیں جو معبود بننے کے لائق ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

۹۔۱۰۔ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ○ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ○

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو موسیٰ کی بات بھی پہنچی؟ جب انہوں نے۔ (مدین سے آتے ہوئے) ایک آگ دیکھی تو اپنی گھر والی سے کہا تم (یہاں) ٹھہرو۔ تحقیق میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی انگارا لے آؤں یا (وہاں) آگ کے پاس مجھے کوئی رستہ بتانے والا مل جائے۔

امْكُثُوْٓا : تم ٹھہرے رہو۔ "مکث" سے امر۔

اٰنَسْتُ : میں نے دیکھا۔ میں نے محسوس کیا۔ "ایناس" سے ماضی۔

قَبَسٍ : انگارا، آگ کا شعلہ، مصدر بھی ہے اسم بھی۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے۔ حضرت موسیٰ کا واقعہ آپ کے واقعے سے ملتا جلتا ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کو دعوت و تبلیغ دین میں مشقتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑی تھیں اسی طرح آپ کو بھی تبلیغ اسلام میں مصیبتوں اور دشواریوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان مصیبتوں پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور اللہ نے فرعون اور اس کی قوم پر ان کو غلبہ عطا فرمایا اسی طرح آپ بھی صبر و استقلال سے کام لیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ان کفار و مشرکین پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کی ظاہری شان و شوکت کو خاک میں ملا دے گا۔

(عثمانی ۹،۱۰/۲)

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مدت کو پورا کر چکے تھے جو ان کے اور ان کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے درمیان طے ہوئی تھی اور حضرت موسیٰ اپنی اہلیہ کو لے کر مدین سے اپنے وطن مصر جا رہے تھے۔ سردی کی رات تھی، راستہ بھول گئے تھے، پہاڑوں کی گھاٹیوں کے درمیان تھے، اندھیرا تھا اور ابر چھایا ہوا تھا۔ چقماق سے آگ نکالنا چاہی مگر نہ نکلی۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو دور دائیں جانب کوہ طور کی طرف کچھ آگ دکھائی دی اور اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ اس طرف آگ سی نظر آ رہی ہے، میں وہاں سے کچھ انگارے لے کر آتا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کوئی راستہ بتانے والا مل جائے۔
(ابن کثیر ۳/۱۳۳)

اللہ تعالیٰ کا خطاب

۱۱-۱۶۔ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝

پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو آواز آئی اے موسیٰ، بیشک میں ہی تیرا پروردگار ہوں، سو تو اپنی جوتیاں اتار دے بیشک تو مقدس وادی طویٰ میں ہے، اور میں نے تجھے (نبی بنانے کے لئے) منتخب کر لیا ہے سو (اب) جو وحی کی جا رہی ہے اس کو (غور سے) سنو۔ بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، سو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔ تحقیق قیامت آنے والی

ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت کرو۔ یہاں عبادت سے مراد عام عبادت ہے مثلاً دعا ہو، حاجات میں اللہ کو پکارتا ہو، مدد مانگتا ہو، روزہ، خیرات ادا کرتا ہو، ذکر ہو، مراقبہ ہو یہ سب عبادت میں داخل ہیں۔ نیز فرمایا کہ میری ہی یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ جو میری یاد کا بہتر اور افضل ترین طریقہ ہے۔

ابو نعیم اور بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پیارا ہے۔ آپ نے فرمایا نماز۔

پھر فرمایا کہ قیامت اپنے مقررہ وقت پر ضرور قائم ہونے والی ہے۔ اس دن عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کو ان کی عبادت اور اطاعت کا اجر و ثواب ملے گا۔ میں اس وقت کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں۔ پس روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جسے قیامت قائم ہونے کا مقررہ وقت معلوم ہو، سو وہ اچانک آجائے گی، اس کے آنے کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جو شخص قیامت کو نہیں مانتا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے وہ تمہیں بھی قیامت پر ایمان لانے اور نماز قائم کرنے سے روک دے، اے موسیٰؑ! اگر تم کافروں کے کہنے میں آگئے تو آخرت میں تم بھی ان کی طرح تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔ موت قیامت صغریٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت بھی پوشیدہ رکھا ہے۔

(حقانی ۲۰۹، ۲۰۲/۳، ابن کثیر ۱۴۳، ۱۴۲/۳، مظہری ۱۲۹، ۱۳۳/۶)

حضرت موسیٰؑ کو لاٹھی کا معجزہ عطا ہونا

۱۷، ۱۸۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ۝ قَالَ

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو لاٹھی کا لکڑی ہونا جتا کر اور ان کو خوب ہوشیار کر کے حکم دیا کہ اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو۔ جونہی حضرت موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی، اللہ کے حکم سے پہلے وہ سانپ بنی، پھر اژدہا بن کر تیزی سے ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ چونکہ ابھی تک حضرت موسیٰؑ پر حقیقت حال منکشف نہیں ہوئی تھی اس لئے وہ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ کا یہ خوف طبعی اور بشری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں، اس کو ہاتھ میں پکڑ لو، ہم اس کو فوراً اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اژدہے کو پکڑا تو فوراً لاٹھی بن گئی۔

(عثمانی ۸۰۰/۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۳۸، ۳۳۹/۴)

ید بیضا کا معجزہ

۲۲، ۲۳۔ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ○ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ○ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○

اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبالو۔ وہ کسی عیب یا مرض کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ دوسرا معجزہ ہے تاکہ ہم اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں تمہیں دکھائیں۔ اب (یہ نشانیاں لے کر) تم فرعون کے پاس جاؤ۔ بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے۔

اُضْمُمْ: تو دبالے۔ تو ملالے۔ ضَمٌّ سے امر۔

جَنَاحِكَ: تیرا بازو، تیرا ہاتھ، تیرا پہلو، جمع اَجْنِحَۃٌ

سُوْٓءٍ: برائی، گناہ، آفت۔

تشریح: اے موسیٰ اپنے داہنے ہاتھ کو اپنی بائیں بغل میں ڈال کر نکال لو۔ ایسا کرنے سے آپ کا ہاتھ کسی خرابی اور عیب کے بغیر نہایت سفید اور روشن ہو کر نکلے گا۔ چنانچہ جب

حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالا تو وہ نہایت چمکتا ہوا اور روشن تھا۔ اور یہ چمک اور سفیدی کسی مرض یا عیب کی بنا پر نہ تھی جیسے برص کے مرض سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں بلکہ یہ معجزۂ عصا کے علاوہ آپ کی نبوت و رسالت کی ایک اور نشانی تھی۔

پھر فرمایا کہ یہ سب اس لئے ہے تاکہ ہم آپ کو اپنی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھا دیں۔ سو اب تم یہ دونوں معجزے لے کر فرعون کے پاس جاؤ جو نافرمانی اور سرکشی میں حد سے بڑھ چکا ہے۔ وہ دنیا پر فریفتہ ہو کر آخرت کو فراموش کر بیٹھا ہے اور اپنے خالق کو بھول گیا ہے۔ سو تم اس کو سمجھاؤ اور اللہ کی عبادت کی دعوت دو، میری نعمتیں یاد دلاؤ، میرے عذاب سے ڈراؤ اور اس سے کہو کہ وہ کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائے، بنی اسرائیل کے ساتھ حسن سلوک کرے، انہیں تکلیف و ایذا نہ دے۔ اگر وہ تمہاری نبوت و رسالت میں شبہ کرے تو اس کو یہ دونوں معجزے دکھاؤ۔ (مظہری ۱۳۵/۶، ۱۰۹، ابن کثیر ۱۴۶/۳)

حضرت موسیٰ کی دعا

۲۵۔۳۵۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ○ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ○ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ○ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ○ هٰرُوْنَ اَخِی ○ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ○ وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ ○ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ○ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ○ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ○

حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے اور میرے لئے میرا کام آسان فرما دے اور میری زبان سے گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں اور میرے کنبے میں سے کسی کو میرا وزیر بھی بنا دے یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے، اس سے میری کمر مضبوط (میری قوت مستحکم) کر دے اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے

تاکہ ہم تیری تسبیح کثرت سے کیا کریں اور تجھ کو کثرت سے یاد کیا
کریں۔ بیشک تو ہمیں خوب دیکھتا ہے۔

عُقْدَۃً: عقدہ، گرہ، بندش۔

اُشْدُدْ: تو سخت کر دے۔ شِدَّۃٌ وشَدٌّ سے امر۔

اَزْرِیْ: میری قوت، میری کمر۔

وَزِیْرٌ: یہ "وِزْرٌ" سے مشتق ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں۔ بادشاہ کی طرف سے وزیر پر بھی بارِ حکومت ہوتا ہے۔ یا یہ "وَزَرٌ" سے مشتق ہے جو پہاڑی پناہ گاہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بادشاہ بھی وزیر کی رائے سے مدد لیتا ہے اور اپنی حکومت کے معاملات میں اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ موازرت (باب مفاعلہ) باہم مدد کرنا بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ بعض اہلِ لغت کہتے ہیں کہ وزیر اصل میں ازیر تھا جو "اَزْرٌ" سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ "اَزْرٌ" کے معنی قوت کے ہیں۔ ازیر قوی بمعنی مآزر ہے۔ ازیر کے ہمزہ کو واؤ سے بدل دیا گیا۔ (مظہری ۱۳۶/۶)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی کے بعد نبوت و رسالت سے بھی سرفراز فرما دیئے گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے چار چیزیں طلب کیں۔

۱۔ اِشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ: میرے سینے کو کھول دے تاکہ میں اس بوجھ کو اٹھا سکوں اور تیرے حکم کی تبلیغ اور دعوت بے خوفی سے کر سکوں۔ دعا کا یہ حصہ باطنی اصلاح سے متعلق ہے۔ انبیا علیہم السلام کو لوگوں کی اصلاح کے کام میں طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ وہ لوگوں کو احکامِ خداوندی کی تعلیم اور اخلاقِ حمیدہ کی ترغیب دیتے ہیں اور دنیا کی دلفریبیوں سے لوگوں کو نفرت دلاتے ہیں۔ یہ سب باتیں اس وقت ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ ان کے دل کو کھول دے اور اس سے ظلمت کے حجابات اٹھا دے جو اس کی تنگی کا باعث ہوتے ہیں۔ اسی کو شرحِ صدر کہتے ہیں۔ وَیَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ (اور میرے کام کو آسان کر دے) اسی کی تشریح ہے یعنی میرے کام میں ایسی سہولت پیدا کر دے اور مجھے ایسی توفیق دیدے کہ میں تبلیغِ رسالت کر سکوں اور فرض کی ادائیگی میں مجھے کوئی دشواری اور بار محسوس نہ ہو بلکہ فرض کی ادائیگی میں

عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۟ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! تمہاری درخواست منظور کی گئی اور بیشک ہم تو ایک دفعہ اور بھی تم پر احسان کر چکے ہیں۔ جب کہ ہم نے تمہاری ماں کو الہام سے وہ بات بتائی جو الہام سے بتانے کی تھی، وہ یہ کہ اس (موسیٰ) کو صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے۔ پھر دریا اس کو کنارے تک لے آئے گا (جہاں) اس کو میرا اور اس کا دشمن پکڑ لے گا اور میں نے اپنی طرف سے تجھ پر (ایک ایسی) محبت ڈالدی (کہ جو دیکھتا تجھے پیار کرنے لگتا) اور تاکہ تو میرے سامنے پرورش پائے۔ جبکہ تمہاری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ تم کہو تو میں تمہیں ایسی انا بتاؤں جو اس کی اچھی طرح کفالت کرے۔ پھر (اے موسیٰ! اس طرح) ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کھائے اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا پھر ہم نے تمہیں اس غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں خوب آزمایا۔ پھر تم برسوں اہل مدین میں رہے۔ اے موسیٰ پھر تم ایک خاص وقت پر (یہاں) آئے۔ اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے منتخب کیا۔

اِقْذِفِيْهِ : تو اس کو پھینک دے، تو اس کو ڈالدے۔ قَذْفٌ سے امر۔

التَّابُوْت : صندوق۔

اَلْيَمّ : دریا، سمندر، گہرا پانی۔ جمع یُمُوْمٌ۔

تھا۔ قتادہ نے کہا موسیٰ کی آنکھوں میں عجیب ملاحت تھی۔ جو بھی دیکھتا فریفتہ ہو جاتا۔

۳۔ تیسرا احسان یہ کہ تم میری نگرانی اور نگہبانی میں پرورش پاؤ۔

۴۔ چوتھا احسان یہ کہ جب تیری بہن مریم بنت عمران تیری تلاش میں جا رہی تھی اور فرعون کے گھر پہنچ کر کہہ رہی تھی کہ کیا میں تمہیں ایسی عورت کا پتہ بتاؤں جو اس بچے کی اچھی طرح دیکھ بھال کر سکے۔ اے موسیٰ! اس طرح ہم نے تمہیں ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور جدائی کا غم دور ہو۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ کی والدہ نے اللہ کے حکم سے ان کو صندوق میں لٹا کر دریا میں ڈال دیا تو وہ بمقتضائے بشریت بچے کی طرف سے رنجیدہ اور غمگین ہوئیں۔ ادھر حضرت موسیٰ کی بہن ان کو تلاش کرتی ہوئی فرعون کے گھر جا پہنچی جہاں حضرت موسیٰ کو صندوق سے نکال کر اپنا بیٹا بنا لینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ اور فرعون اور اس کی بیوی کو حضرت موسیٰ کو دودھ پلانے کے لئے دائیوں کی تلاش تھی۔ حضرت موسیٰ کسی دائی کا دودھ نہ پیتے تھے۔ یہ دیکھ کر ان کی بہن نے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسی عورت کا پتہ نہ بتادوں جو اس کی پرورش کی کفالت بھی کرے اور اس کی خیر خواہ بھی ہو۔ فرعون کے گھر والوں نے یہ بات منظور کر لی اور حضرت موسیٰ کی بہن جا کر اپنی والدہ کو لے آئی۔ حضرت موسیٰ نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔

۵۔ اے موسیٰ! ہم نے تم پر ایک احسان یہ کیا کہ جب ایک قبطی ایک اسرائیلی کو مار رہا تھا تو تم نے اس کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ قبطی مر گیا۔ پس اس وقت ہم نے تمہیں مصر سے مدین پہنچا کر قصاص کے غم سے نجات دی۔

۶۔ ایک احسان یہ ہے کہ ہم نے تمہیں خوب آزمائشوں میں ڈالا بالآخر اللہ نے تمہیں نجات عطا فرما دی۔

۷۔ پھر تم کئی سال تک امن و امان کے ساتھ مدین والوں میں رہے۔ مدین حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر تھا اور مصر سے آٹھ منزل کی مسافت پر تھا۔ مدین میں ہی حضرت شعیب کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ کا نکاح ہوا اور مہر کے عوض دس سال تک حضرت شعیبؑ کی بکریاں چرائیں۔ پھر واپس آئے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا

انعام تھا۔

۸۔ اے موسیٰ پھر ایک خاص وقت پر جو میں نے تمہارے آنے کے لئے مقرر کر دیا تھا، تم وادیٔ مقدس کی طرف آئے جہاں ہم نے تم سے کلام کیا اور تمہیں نبوت و رسالت اور کلام وحی کے لئے منتخب کر لیا اور تمہیں اپنا محبوب و مخلص بنا لیا تاکہ تم میرے علاوہ کسی اور سے دل نہ لگاؤ نہ ظاہر میں نہ باطن میں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳۳-۵۳۴/۴، مظہری ۱۳۳-۱۳۴/۶، روح المعانی ۱۹۱-۱۹۵/۱۶)

حضرت موسیٰ و ہارون کو فرعون کی طرف بھیجنا

۴۲-۴۴۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝

تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا، تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ بیشک اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ پس (جاکر) اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا (اللہ سے) ڈر جائے۔

تَنِیَا: تم دونوں سستی کرو۔ وَنْیٌ سے مضارع۔

لَیِّنًا: نرم۔ لِیْنٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: اے موسیٰ تم اپنے بھائی ہارون کو ہمراہ لے کر فرعون کے پاس جاؤ جو بہت سرکش اور نافرمان ہو گیا ہے اور میرے عطا کئے ہوئے معجزے اور نشانیاں دکھا کر اس کو اور اس کی قوم کو سیدھے راستے کی طرف بلاؤ اور دیکھو تبلیغ دین کے اس کام میں میری یاد سے غفلت اور سستی نہ کرنا۔ میری یاد کی کثرت ہی کامیابی کا بڑا ذریعہ اور دشمن کے مقابلے میں بہترین

ہتھیار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیات سے مراد وہ تو معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔

اگرچہ فرعون کی سرکشی اور نافرمانی کے پیش نظر اس سے یہ امید نہیں کہ وہ تمہاری دعوت قبول کرلے تاہم تم دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے وقت اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرنا تاکہ تمہاری بات اس کے دل میں بیٹھ جائے اور تمہاری بات پر غور و فکر کر کے وہ اپنی گمراہی و ہلاکت سے بچ جائے اور نصیحت حاصل کرلے یا وہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر راہ راست پر آجائے۔

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ نرم گفتگو سے مراد یہ ہے کہ اس سے کہنا کہ میرے غضب و غصے سے میری مغفرت و رحمت بہت بڑھی ہوئی ہے۔

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ نرم بات کہنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف دعوت دینا ہے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو جائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بات کرنے میں درشتی نہ کرنا۔ (مظہری ۸۳/۶، ابن کثیر ۱۵۳/۳، روح المعانی ۱۹۳۔۱۹۵/۱۶)

حضرت موسیٰ و ہارون کا اندیشہ

۴۵۔۴۸۔ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ○ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ○ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ○ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ○

ان دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ جائے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا

کہ تم بالکل خوف نہ کرو، میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سنتا اور دیکھتا ہوں، سو تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں پس تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو تکلیف نہ دے۔ تحقیق ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اس کے لئے ہے جو (سیدھے) راستے پر چلے۔ بیشک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اللہ کا عذاب اس کے لئے ہے جو (حق کی) تکذیب کرے اور (اس سے) روگردانی کرے۔

یفرط: وہ حد سے بڑھتا ہے، وہ زیادتی کرتا ہے۔ فرط سے مضارع۔

یطغی: وہ حد سے تجاوز کرتا ہے، وہ سرکشی کرتا ہے۔ طغیان سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی کمزوری کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا کہیں ایسا نہ ہو کہ فرعون ہماری پوری بات سننے سے پہلے ہی غصے میں آ کر تیری شان میں زبردست گستاخی کرنے لگے یا ہم پر دست درازی کرنے لگے جس سے اصل مقصد فوت ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تمہیں کچھ خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میری حفاظت اور مدد ہر وقت تمہیں حاصل رہے گی۔ جو باتیں تمہارے اور ان کے درمیان ہوں گی اور جو معاملات و واقعات پیش آئیں گے میں ان سب کو سنتا اور دیکھتا رہوں گا۔ کوئی بات مجھ پر مخفی نہیں۔ اس کی چوٹی میرے ہاتھ میں ہے وہ میرے قبضے سے باہر نہیں نکل سکتا لہٰذا گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب تم دونوں جا کر اس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام لے کر تیرے پاس آئے ہیں۔ یہی بھلا ہے کہ تو ہم پر ایمان لا تاکہ تو اپنے رب کے غضب سے محفوظ ہو جائے پھر اپنے ظلم سے باز آ جا اور بنی اسرائیل کو اپنی قید سے رہا کر کے ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم ان کو لے کر ارض مقدس چلے جائیں، جو ہمارے بزرگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ ہم تیرے پاس

اپنے رب کی طرف سے نبوت و رسالت کی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ پس جو سیدھی راہ پر چلے گا اس کے لئے دونوں جہان میں عذاب الٰہی سے سلامتی ہے۔ ہمارے پاس اللہ کا یہ حکم وحی کے ذریعے پہنچا ہے کہ جو شخص حق کو جھٹلائے گا اور اس سے روگردانی کرے گا اسی کو اللہ کا عذاب پہنچے گا۔ (ابن کثیر ۱۵۴ تا ۱۵۵ / ۳۔ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳۷ ـ ۵۳۸ / ۴)

فرعون کا سوال اور حضرت موسیٰ کا جواب

۴۹ ـ ۵۴۔ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ○ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ○ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ○ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ○ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ○

(فرعون نے) کہا اے موسیٰ! پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟ (موسیٰ نے) کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خاص صورت عطا کی پھر رہنمائی فرمائی۔ (فرعون نے) کہا پھر پہلے زمانے کے لوگوں کا کیا حال ہوا؟ (موسیٰ نے) کہا اس کا علم تو میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے، نہ میرا رب غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ اس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس (زمین) میں تمہارے (چلنے کے) لئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعے مختلف قسم کی نباتات پیدا کیں۔ تم خود کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی چراؤ۔ بیشک اس میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

مَهْدًا : بچھونا، فرش، راستہ ہموار کرنا، مصدر بمعنی مفعول۔

سَلَكَ : اس نے چلایا، سُلُوْكٌ سے ماضی۔

سُبُلًا : راستے، راہیں، واحد سَبِيْلٌ

شَتّٰى : جدا جدا، مختلف، متفرق، واحد شَتِيْتٌ

اِرْعَوْا : تم نگہبانی کرو، تم چراؤ، تم کھلاؤ، رَعْیٌ و رِعَايَةٌ سے امر۔

اَنْعَامَكُمْ : تمہارے مویشی۔ تمہارے چوپائے۔

النُّهٰى : عقلیں، واحد نُهْيَةٌ

تشریح: فرعون وجود باری کا پہلے ہی منکر تھا۔ حضرت موسیٰ کی زبانی اللہ کا پیغام سن کر کہنے لگا کہ اے موسیٰ! تمہارا رب کون ہے۔ میں تو اسے نہیں جانتا اور نہ اسے مانتا ہوں۔ میرے خیال میں تو تم سب کا رب میرے سوا اور کوئی نہیں۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جس نے اپنی مخلوق کو ہر وہ چیز عطا فرمائی جس کی اس کو ضرورت تھی اور جو اس کے کام آ سکتی تھی۔

یہ سن کر فرعون نے پوچھا کہ اقوام سابقہ کا کیا حال ہوا جو ہم سے پہلے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے منکر تھے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ سابقہ قوموں کے تمام اعمال لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ جزا اور سزا کا دن مقرر ہے۔ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو بھولتا ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ فلاں فلاں چیز فلاں جگہ ہے۔ میرا رب وہی ہے جس نے تمہارے رہنے کے لئے زمین کو فرش کی مانند بنا دیا جس پر تم سوتے بیٹھتے اور رہتے سہتے ہو اور اللہ نے پہاڑوں، وادیوں اور صحراؤں کے اندر زمین پر تمہارے لئے راستے بنا دیئے جن پر تم چلتے ہو اور زمین کے ایک حصے سے دوسرے حصے کی طرف جاتے ہو۔ میرا رب ہی آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس کے ذریعے زمین سے ہر قسم کی پیداوار اگاتا ہے۔ مثلاً کھیتیاں، باغات اور مختلف قسم کے پھل۔ ان میں سے تم خود بھی کھاتے ہو اور جو تمہارے کام کے نہیں ان کو تم اپنے جانوروں کو چارے کے طور پر کھلاتے ہو۔ بیشک زمین کو فرش کی طرح بنانے میں، بادلوں سے پانی برسانے میں اور پانی سے طرح طرح کا سبزہ پیدا کرنے میں عقل والوں کے لئے اللہ کی

وحدانیت، اس کے وجود اور اس کی قدرتِ کاملہ کی بہت سی نشانیاں ہیں۔
(ابن کثیر ۱۵۵/ ۳، روح المعانی ۲۰۳۔ ۲۰۵/ ۱۶)

انسان کا آغاز و انجام

۵۵۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝

ہم نے تمہیں اس (زمین) سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں واپس لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

نُعِيْدُكُمْ : ہم تم کو لوٹائیں گے۔ ہم تم کو دوبارہ کریں گے۔ اِعَادَةٌ سے مضارع۔

تَارَةً : ایک بار، ایک مرتبہ، جمع تَارٌ۔

تشریح : جس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین سے نباتات کو پیدا کیا اسی طرح اس نے سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی مٹی سے پیدا کیا جو (مٹی) سب انسانوں کا مبدا ہے۔ جن غذاؤں سے آدمی کا جسم پرورش پاتا ہے۔ وہ بھی مٹی ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ مرنے کے بعد بھی بعض لوگ تو قبروں کے اندر اور بعض قبروں کے بغیر ہی مٹی میں مل جاتے ہیں۔ قیامت کے روز آدمی کے جسم کے ان تمام اجزا کو جو اس کے مرنے کے بعد مٹی بن گئے تھے دوبارہ جمع کر کے اس کو ازسرِ نو پیدا کر دیا جائے گا۔ اور جو لوگ قبروں میں مدفون تھے ان کو بھی ازسرِ نو زندہ کر کے قبروں سے نکالا جائے گا۔ پس مٹی ہی انسان کی اصل ہے، لہٰذا انسان کو مٹی میں غور و فکر کرتے رہنا چاہئے کہ وہ اسی سے پیدا ہوا۔ مرنے کے بعد اس کو پھر اسی مٹی میں لوٹا دیا جائے گا۔ پھر قیامت کے روز اعمال کے بدلے کے لئے اس کو اسی مٹی سے نکالا جائے گا۔ اس لئے یومِ حساب کے لئے اس کو نیک اعمال کا کچھ ذخیرہ ضرور جمع کر لینا چاہئے۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۵/ ۴، مظہری ۸۶/ ۶)

نبی اور رسول ہیں اور یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں خواب دیکھا تھا کہ میری سلطنت کا خاتمہ اس شخص کے ہاتھ پر ہوگا اور اسی ڈر کے مارے بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کراتا تھا مگر وہ ان پر ایمان لانے کی بجائے، اپنی بدحواسی اور اس خوف کو چھپانے کے لئے جو اس پر عصائے موسیٰ کی ہیبت سے طاری تھا، حضرت موسیٰ کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ کیا تو جادو کے زور سے ہمارا ملک چھیننا چاہتا ہے، سو ہم بھی تیرے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ شخص پیغمبر نہیں جادوگر ہے۔ پس تم مقابلے کے لئے کوئی دن اور جگہ مقرر کرلو۔ اس دن ہم بھی وہاں آجائیں گے اور تم بھی آجاؤ۔ کوئی فریق بھی وعدہ خلافی نہ کرے اور وہ مقررہ جگہ شہر کے وسط میں ہونی چاہئے تاکہ آنے والوں کو کوئی دشواری نہ ہو اور سب کے لئے مسافت بھی برابر ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی تجویز کو منظور کرتے ہوئے کہا کہ اس مقابلے کے لئے تمہاری عید کا دن اور چاشت کا وقت مناسب ہے تاکہ فرصت کی بنا پر سب آجائیں اور روزِ روشن میں مقابلہ دیکھ کر خود حق و باطل میں تمیز کرلیں۔

(ابن کثیر ۱۵۲ / ۳، روح المعانی ۲۱۶۔۲۱۹ / ۱۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۷، ۵۵۸ / ۴)

حضرت موسیٰ کا ساحروں کو خطاب

۶۰۔۶۱۔ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝

پھر فرعون لوٹ گیا پھر اس نے اپنے تمام داؤ جمع کئے او(مقررہ وقت پر سب کو لے کر) آگیا۔ موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا کہ کمبختو اللہ پر جھوٹ افترنہ باندھو ورنہ وہ تمہیں کسی عذاب سے

ملیامیٹ کر دے گا اور یقیناً جس نے جھوٹ بنایا وہ غارت ہوا۔

كَيْدَهٗ : اس کا مکر، اس کا فریب، اس کی چالاکی۔

فَيُسْحِتَكُمْ : پس وہ تم کو فنا کرے گا، پس وہ تم کو ہلاک کرے گا۔ اِسْحَاتٌ سے مضارع۔

خَابَ : وہ ناکام ہوا، وہ نامراد ہوا۔ خَيْبَةٌ سے ماضی۔

تشریح: اس زمانے میں جادو کا بڑا زور تھا۔ بڑے بڑے نامور جادوگر موجود تھے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلے کے دن اور جگہ کا تعین ہو گیا تو فرعون نے مقابلے کی حکمت عملی طے کی اور ایک فرمان کے ذریعے تمام نامور اور ہوشیار جادوگروں کو اپنے پاس طلب کر لیا۔ جب سب انتظامات ہو چکے اور مقابلے کا معینہ دن اور وقت آ گیا تو وہ اپنی پوری طاقت اور جمعیت کے ساتھ وقت معین پر مقابلے کے میدان میں آیا۔ ساحروں کی ایک بڑی فوج اس کے ہمراہ تھی۔ پھر وہ تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ تمام امرا و وزرا اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ جادوگروں کی صفیں کی صفیں فرعون کے سامنے کھڑی تھیں اور وہ ان کو طرح طرح کے انعامات کی امیدیں دلا رہا تھا۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے جادوگروں کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو تم میرے معجزے کو جو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، جادو قرار دے کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو ورنہ شامت اعمال تمہیں برباد کر دے گی۔ افترا کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ لوگوں کی آنکھوں میں خاک نہ جھونکو کہ حقیقت میں تو کچھ نہ ہو اور تم اپنے جادو سے ان کو بہت کچھ دکھا دو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں جو واقعتاً کسی چیز کو پیدا کر سکے۔ (روح المعانی ۲۲۰/۱۶، ابن کثیر ۱۵۷/۳)

ساحروں میں اختلاف رائے ہونا

۶۲۔ ۶۳۔ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْ

ویذھبا بطریقتکم المثلٰی ○ فاجمعوا کیدکم ثم ائتوا صفًا ۚ

وقد افلح الیوم من استعلٰی ○

پس جادوگروں میں اپنے کام کے بارے میں باہم اختلاف ہوا اور وہ خفیہ مشورہ کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کر دیں۔ سو تم بھی اپنی تدبیریں جمع کر کے (میدان میں) صف بند کر کے آؤ اور آج جو غالب آگیا وہی کامیاب رہا۔

اَسَرُّوا : انہوں نے چھپا کر کہا۔ اِسْرَارٌ سے ماضی۔

النَّجْوٰی : سرگوشی کرنا، مشورہ کرنا، باتیں کرنا۔ واحد، جمع، اسم بھی مصدر بھی۔

الْمُثْلٰی : پسندیدہ، بہترین۔ مَثَالَۃٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعظ سن کر وہ آپس میں اختلاف اور جھگڑا کرنے لگے۔ ان میں سے بعض کہنے لگے کہ یہ جادوگروں کا کلام نہیں یہ تو اللہ کے نبی رسول ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہیں ان سے مقابلہ کرنا ہے۔ ہم ان پر غالب آجائیں گے۔ یہ سب باتیں وہ پوشیدہ اور خفیہ طور پر کر رہے تھے تاکہ فرعون کو پتہ نہ چل سکے۔ بالآخر انہوں نے متفقہ طور پر قرار دیا کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں اور اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتے ہیں تاکہ اس پر قبضہ کر کے اس کو اپنے تصرف میں لائیں اور تمہارے مذہب و تہذیب کو ختم کر کے بنی اسرائیل کا دین و تہذیب ملک میں رائج کریں۔ سو تم متحد و متفق ہو کر ان کا مقابلہ کرو تاکہ تمہارا رعب پڑ جائے اور ان کے دل میں ہیبت بیٹھ جائے۔ بیشک آج جس نے غلبہ پایا وہی کامیاب ہے۔

(روح المعانی ۲۲۴ ـ ۲۲۹ / ۱۶، ابن کثیر ۱۵۵ / ۳)

ساحروں کی مبارزت

۶۵۔۶۶ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَن تُلْقِيَ وَإِمَّا أَن نَّكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ○
قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن
سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ○

وہ جادوگر کہنے لگے۔ اے موسیٰ! تو آپ پہلے ڈالیں یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ موسیٰ نے کہا کہ تم ہی ڈالو۔ پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے سبب (حضرت) موسیٰ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

حِبَالُهُمْ: ان کی رسیاں۔ واحد حبل
عِصِيُّهُمْ: ان کی لاٹھیاں۔ ان کے عصا۔

تشریح: جادوگر اپنے فن پر ایسے مطمئن تھے کہ جب وہ مقابلے کے دن مقررہ جگہ پہنچے تو انہوں نے اپنی بڑائی مارتے ہوئے حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم ڈالیں۔ دل سے بھی وہ یہی چاہتے تھے کہ ان کو پہل کا موقع ملے تاکہ جب تمام ساحر یک وقت اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو حضرت موسیٰ ان کو دیکھ کر حیران رہ جائیں۔ حضرت موسیٰ نے ان کے منشا کو محسوس کرتے ہوئے اور اپنی اولوالعزمی کے اظہار کے لئے انہیں پہل کرنے کا موقع دیا اور فرمایا کہ تم ہی پہلے ڈالو۔

پھر جب انہوں نے لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اور لوگوں کی نظر بندی کر دی تو دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ گویا وہ سانپ بن کر چل پھر رہی ہیں اور میدان میں ادھر ادھر بھاگ رہی ہیں۔ تمام میدان سانپوں سے بھر گیا تھا۔ ایک کے اوپر ایک رینگ رہا تھا حالانکہ حقیقت میں وہ اس وقت بھی لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں۔ جس طرح اس نظر بندی سے پہلے تھیں۔ (ابن کثیر ۱۵۷/۳، روح المعانی ۲۲۶، ۲۲۷/۱۶)

حضرت موسیٰ کو عصا ڈالنے کا حکم

۶۷۔۶۹۔ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ○

پھر (حضرت) موسیٰ کو دل میں خوف محسوس ہونے لگا۔ ہم (اللہ تعالیٰ) نے کہا ڈرو نہیں، تم ہی غالب رہو گے اور جو کچھ تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اسے (زمین پر) ڈال دو۔ ان لوگوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ (عصا) سب کو نگل جائے گا۔ بیشک جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ تو صرف جادوگروں کا شعبدہ ہے اور جادوگر کہیں بھی فلاح نہیں پاتا۔

اَوْجَسَ: اس نے دل میں محسوس کیا۔ وہ دل میں گھبرایا۔ وہ ڈر گیا۔ اِیْجَاسٌ سے ماضی۔

تَلْقَفْ: وہ نگل جائے گا۔ لَقْفٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام جادو کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لئے اس منظر کو دیکھ کر انہوں نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ خوف کھانے کی ضرورت نہیں تم ہی غالب رہو گے۔ معجزے کے سامنے کسی جادو اور شعبدے کی کوئی حقیقت نہیں لہٰذا تم بھی اس چیز کو زمین پر ڈال دو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے۔ آپ کے پاس جو کچھ ہے وہ کوئی خیالی شعبدہ اور فریب نہیں بلکہ وہ قدرتِ الٰہی کا کرشمہ ہے۔ خیالی شعبدہ کبھی کرشمۂ قدرت پر غالب نہیں آ سکتا اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ وہ فوراً ایک بڑا اژدھا بن گیا جس کے پیر بھی تھے اور سر کچلیاں اور دانت بھی۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے جادوگروں کے بنتے کرتب تھے سب کو ہڑپ کر لیا اور کسی چیز کو باقی نہ چھوڑا۔ لوگ ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس

کے بعد یہ اژدہا فرعون کی طرف بڑھا تو اس نے پکار کر حضرت موسیٰ سے فریاد کی تو انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور وہ پہلے کی طرح عصا بن گیا۔

[مواہب الرحمٰن ۲۹۰ ـ ۲۹۱/۱۶، ابن کثیر ۱۵۵ ـ ۱۵۸/۳]

ساحروں کا ایمان لانا

۷۰۔ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ۝

پھر جادوگر سجدے میں گر گئے کہ ہم ہارونؑ اور موسیٰؑ کے رب پر ایمان لائے۔

تشریح: جادوگر چونکہ خود فنِ سحر کے ماہر تھے اور اس کے اصول و فروع سے باخبر تھے اس لئے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ واقعی یہ اس قسم کا کام ہے جس کے کرنے سے اہلِ فن ماہر کامل بن کے حکم سے ہوتا ہے اور کہنے لگے کہ یہ سحر نہیں۔ ایک سحر دوسرے سحر پر غالب تو آسکتا ہے مگر اس کو نیست و نابود نہیں کر سکتا۔ اگر حضرت موسیٰ کی لاٹھی جادو کی لاٹھی ہوتی تو ہماری لاٹھیاں اور رسیاں تو اصلی حالت پر باقی رہتیں۔ ہماری لاٹھیوں اور رسیوں کا سرے سے غائب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے اور حضرت موسیٰ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ اگر حضرت موسیٰ نبی نہ ہوتے تو وہ ہم پر کبھی غالب نہیں آسکتے تھے۔ ان ساحروں کو اللہ تعالیٰ پر ایسا کامل یقین ہو گیا کہ وہ اسی وقت اسی میدان میں سب کے سامنے اور بادشاہ کی موجودگی میں اللہ کے سامنے سربسجود ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم حضرت ہارونؑ اور موسیٰؑ کے پروردگار پر ایمان لائے۔ کیسی بلند شان ہے اللہ کی کہ صبح کے وقت یہ لوگ کافر اور ساحر تھے اور شام کو پاکباز مومن اور راہِ خدا کے شہید۔

(مظہری ۲۲۲/۶، مواہب الرحمٰن ۲۹۱ ـ ۲۹۳/۱۶)

فرعون کی بے بسی اور غصہ

۷۱۔ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ۝

(فرعون نے) کہا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے۔ بیشک وہی تمہارا بڑا (استاد) ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ سو اب میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ کٹواؤں گا اور دوسرے طرف کے پاؤں اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا۔ اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب شدید اور دیرپا ہے۔

وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ: میں تمہیں ضرور سولی پر چڑھاؤں گا۔ تَصْلِیْبٌ سے مضارع۔

جُذُوعِ: درخت کے تنے۔ واحد جِذْعٌ

النَّخْلِ: کھجور کے درخت۔ اسم جنس ہے۔ واحد نَخْلَةٌ

تشریح: فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں کے مشورے سے جن جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے پورے ملک سے جمع کیا تھا وہ صرف مقابلہ ہی نہیں ہار گئے بلکہ وہ حضرت موسیٰ پر ایمان بھی لے آئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جادوگروں کو ایمان لاتے دیکھ کر فرعون کی قوم کے لاکھوں افراد حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک بڑی طاقت فرعون کے مقابلے پر آ گئی۔

اس وقت فرعون نے اپنی پریشانی کو چھپاتے ہوئے ایک چالاک و ہوشیار سیاستدان کی طرح پہلے تو ساحروں کو ڈانٹا کہ تم میری اجازت سے پہلے ہی حضرت موسیٰ پر ایمان لے

آنے پھر یہ الزام لگایا کہ تم نے مقابلے پر آنے سے پہلے ہی حضرت موسیٰ کے ساتھ مل کر ملک و قوم کے خلاف سازش کر رکھی تھی تاکہ حکومت پر غلبہ پا کر اہل وطن کو ملک سے نکال دیا جائے۔ یقیناً موسیٰ تم سب کے استاد ہیں۔ تم لوگوں نے انہی سے جادو سیکھا ہے اور تم سب آپس میں ایک ہی ہو۔ باہمی مشورے سے پہلے تو تم نے ان کو بھیجا پھر ان کے مقابلے میں خود آگئے اور پروگرام کے مطابق ان کو جتوا دیا اور خود ہار گئے۔ پھر ان کا دین قبول کر لیا تاکہ تمہاری دیکھا دیکھی میری رعایا بھی ان کے چکر میں پھنس جائے۔ بہت جلد تمہیں اپنی سازش کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ کر تم سب کو کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا اور اس بری طرح تمہاری جان لوں گا کہ دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ دائمی عذاب کس پر آتا ہے۔

(روح المعانی ۲۲۔ ۲۳۳/ ۱۶، مواہب الرحمٰن ۲۹۳۔ ۲۹۳/ ۱۶)

ساحروں کی استقامت

۷۲، ۷۳۔ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝

وہ کہنے لگے کہ ہم تجھے ہرگز ترجیح نہ دیں گے ان کھلی نشانیوں پر جو ہمارے پاس آچکی ہیں اور نہ اس خدا پر (ترجیح دیں گے) جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ پس تو جو چاہے کرلے۔ بیشک تو تو صرف اسی دنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتا ہے۔ بلاشبہ ہم تو اپنے رب پر ایمان لاچکے ہیں تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو بخش دے اور اس جادو کو بھی جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔

نُؤْثِرَكَ : ہم تجھے ترجیح دیں گے۔ ایثارٌ سے مضارع۔

فَاقْضِ : پس تو فیصلہ کر، پس تو کر گزر۔ قضاءٌ سے امر۔

تشریح: اسلام و ایمان ایک ایسی زبردست قوت ہے کہ جب وہ کسی کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر انسان اپنی جان و مال سب کچھ قربان کرتے ہوئے ساری دنیا کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے یہ جادوگر جو ابھی ذرا دیر پہلے فرعون کو اپنا خدا مانتے تھے، کلمۂ حق پڑھتے ہی ان میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی کہ فرعون کی ساری دھمکیوں کے جواب میں کہنے لگے کہ اب تو ہم اللہ تعالیٰ کے ہو چکے اور اسی کی طرف رجوع کر چکے۔ جو ہدایت و یقین ہمیں اللہ کی طرف سے حاصل ہوا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم تیرا ذرہ برابر کسی طرح قبول نہیں کریں گے۔ اس خدا کی قسم جس نے ہمیں اور پیدا کیا، ہم تیری گمراہی کو اللہ کی طرف سے حاصل شدہ ہدایت و توفیق پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ تجھے جو کچھ کرنا ہے وہ کر لے۔ نہ ہمیں تیری سزا وں کا خوف ہے اور نہ تیرے انعام کا لالچ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت و اطاعت کی جائے۔ تو تو ہمیں اسی وقت تک سزا دے سکتا ہے جب تک ہم اس دنیا میں زندہ ہیں۔ ہم تو اب اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں اس لئے ہمیں یقین ہے کہ مرنے کے بعد ہمیں ابدی راحت اور غیر فانی خوشی و مسرت نصیب ہوگی اور اللہ ہمارے قصور معاف فرمائے گا۔ خاص طور پر وہ ہمارے ان گناہوں کو بخش دے گا جو تو نے ہم سے زبردستی اور زور دے کر حضرت موسیٰ کے مقابلے میں کرائے۔

قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں کہ فرعون نے ان ایمان لانے والے ساحروں کو وہ سزا دی یا نہیں جس کی اس نے ان کو دھمکی دی تھی۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ فرعون نے جوان کے قتل اور سولی کا پختہ ارادہ کیا تھا وہ کر گزرا۔ حضرت ابن عباسؓ اور دیگر سلف سے یہی مروی ہے کہ وہ جماعت جو سورج نکلنے کے وقت کافر اور جادوگر تھی وہی جماعت سورج غروب ہونے سے پہلے مومن اور شہید تھی۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

(روح المعانی ۲۳۲، ۲۳۳/ ۱۶، مواہب الرحمٰن ۳۰۵، ۳۰۶/ ۱۶، ابن کثیر ۱۵۹/ ۳)

فرعون کو نصیحتیں

إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ ۖ لَا يَمُوتُ فِيهَا
وَلَا يَحْيَىٰ ۝ وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ
لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّىٰ ۝

بیشک جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا نہ زندہ رہے گا۔ اور جو کوئی اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا اور اس نے نیک اعمال بھی کئے ہوں گے تو ان کے لئے بلند درجات ہیں۔ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاکیزگی اختیار کرے۔

تشریح: قیامت کے دن جو شخص مجرم اور باغی ہو کر اپنے رب کے سامنے پیش ہوگا یقیناً اس کے لئے دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔ وہاں اس کو کبھی موت نہیں آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے اور نہ اس کو کوئی راحت نصیب ہوگی بلکہ اس کی زندگی بڑی مشقت والی اور موت سے بدتر ہوگی۔ اس کے برعکس جو لوگ ایمان کی حالت میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ہوں گے تو ان کے لئے بلند درجات اور ایسے باغ ہیں کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ جزا ان لوگوں کے لئے ہے جو کفر و معصیت کی نجاستوں سے پاک و صاف ہوں گے۔

امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیچے کے درجات والے اونچے درجات والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم چمکتے ستاروں کو

آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو اور ابو بکرؓ انہیں میں سے ہوں گے اور عمرؓ (بھی)۔

یہ حدیث طبرانی نے حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت سے اور ابن عساکر نے حضرت ابن عمرؓ و حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

ترمذی میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ تمام درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان۔ سب سے اوپر جنت الفردوس ہے۔ اسی سے چار نہریں نکلتی ہیں اسی کے اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس کی دعا کیا کرو۔

(مظہری ۱۵۳، ۱۵۲/ ۶، ابن کثیر ۱۵۹، ۱۶۰/ ۳)

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج

۷۷۔ وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰی ○

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ۔ پھر دریا پر عصا مار کر ان کے لئے سوکھا راستہ بنا دو کہ جس سے نہ تو تمہیں تعاقب کا اندیشہ رہے گا اور نہ ڈوبنے کا۔

اَسْرِ : تو رات کے وقت لے کر چل، اِسْرَاءٌ سے امر۔

یَبَسًا : خشک، سوکھا ہوا، یُبْسٌ سے صفت مشبہ۔

دَرَكًا : تعاقب کرنا، پالینا۔ پا لینا۔ براتیجہ۔ مصدر ہے۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک و برباد کرنا چاہا اور بنی اسرائیل کو ان کے ظلم سے نجات دینے کا ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جاؤ۔ اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چونکہ فرعون کے تعاقب اور راستے میں دریا کے حائل

ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے اطمینان کے لئے فرمایا کہ دریا پر پہنچ کر اس میں اپنی لاٹھی مار دینا۔ اس سے دریا میں خشک راستہ بن جائے گا اور فرعون کے تعاقب اور پکڑے جانے کا خطرہ نہ رہے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی اور بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل گئے اور دریا پر پہنچ کر اپنی لاٹھی دریا میں ماری۔ پانی پھٹ کر دونوں طرف پہاڑ کی طرح رک گیا اور درمیان میں خشک زمین نکل آئی۔ بنی اسرائیل اس خشک زمین پر چل کر دریا پار کر گئے۔ (مظہری ۱۵۳/۶)

فرعون کا تعاقب اور غرقابی

۷۸۔۷۹۔ فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ فَغَشِيَهُمۡ مِّنَ الۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ ○ وَاَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَمَا هَدٰى ○

پھر فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا تو دریا نے ان سب کو ڈھانپ لیا جیسا کہ ان کو ڈھانپنا تھا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور ان کو سیدھا راستہ نہ دکھایا۔

غَشِيَهُمۡ: اس نے ان کو ڈھانک لیا۔ اس نے ان کو گھیر لیا۔ غَشَيَانٌ و غِشَاوَةٌ سے ماضی۔

اَلۡيَمُّ: دریا، سمندر، گہرا پانی، جمع یُمُوۡمٌ

تشریح: صبح کو جب فرعون اور اس کی قوم کو پتہ چلا کہ شہر میں بنی اسرائیل کا کوئی بھی آدمی موجود نہیں ہے۔ سب حضرت موسیٰ کے ساتھ جا چکے ہیں تو فرعون اپنے لشکر کو لے کر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل پڑا۔ دریا پر پہنچ کر اس نے یہ عجیب و غریب منظر دیکھا کہ دریا کا پانی رکا ہوا ہے اور بنی اسرائیل دریا میں بنے ہوئے خشک راستے سے گزر رہے ہیں۔

فرعون نے اپنے لشکر والوں کو حکم دیا کہ تم بھی اسی راستے سے دریا کو پار کرو جس سے بنی اسرائیل والے گزر رہے ہیں اور خود بھی دریا میں اتر گیا۔ جب تمام بنی اسرائیل دریا سے

گئے۔ سارے نکل گئے اور فرعون اور تمام اہلِ فرعون دریا میں داخل ہو کر اس کے عین درمیان میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے دریا کے پانی کو رواں کر دیا اور دریا کی موجوں نے ان سب کو ہمیشہ کے لئے ڈھانپ لیا اور فرعون مع اپنی قوم کے غرق ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ دین کے معاملے میں فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کر دیا۔ دنیا میں ان کو دین کا راستہ دکھانے کی بجائے الٹا دین کا مذاق اڑاتا رہا۔ سو ان کا جو حال دنیا میں ہوا وہی آخرت میں ہو گا۔ یہاں وہ (فرعون) سب کو لے کر سمندر میں ڈوبا وہاں سب کو ساتھ لے کر جہنم میں جا گرے گا۔ (مظہری ۱۵۴، ۱۵۵/ ۶، حقانی ۹۰/ ۴)

بنی اسرائیل کو نصیحت

۸۰۔۸۲۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَ وٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰی ○ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ ۚ وَ مَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی ○ وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ○

اے بنی اسرائیل البتہ ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے (یعنی تمہارے پیغمبر سے) کوہِ طور کی داہنی جانب (آنے) کا وعدہ کیا اور (وادیٔ تیہ میں) تم پر من و سلویٰ اتارا۔ تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزوں میں سے خوب کھاؤ اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو گا۔ اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تو وہ یقیناً تباہ ہوا۔ اور بیشک میں اس کے لئے غفار بھی ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کرے پھر ہدایت پر قائم رہے۔

یَحْلِلْ: وہ نازل ہو گا۔ وہ واقع ہو گا۔ حُلُوْلٌ سے مضارع۔

ھوی　　وہ گر پڑا۔ وہ خراب ہو گیا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ ھُوِیٌّ سے ماضی۔

تشریح:　ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض احسانات کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے بنی اسرائیل پر فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے ان کو ایک نہایت جابر و قاہر دشمن کے ظلم سے نجات دی اور اس کو ان کی نظروں کے سامنے عبرتناک انجام سے دوچار کیا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۵۰)
اور ہم نے تمہاری آنکھوں کے سامنے آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔

پھر ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ مصر سے شام کی طرف جاتے ہوئے تم کو کوہِ طور کے اس مبارک حصے پر بلایا جو داہنی طرف پڑتا ہے تاکہ تمہیں توریت عطا کی جائے۔ کوہِ طور پر بلا کر توریت دینے کا وعدہ حقیقت میں حضرت موسیٰ سے تھا لیکن اس کا تعلق چونکہ بنی اسرائیل سے بھی تھا اس لئے مجازاً فرما دیا کہ ہم نے تم کو (بنی اسرائیل کو) وعدہ دیا تھا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے تیہ کے لق و دق میدان میں تمہارے کھانے کے لئے من و سلویٰ اتارا۔ جس کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت ۵۷ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ ان احسانات کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال و طیب، صاف ستھری اور لذیذ چیزیں تمہیں عنایت فرمائی ہیں انہیں خوب استعمال کرو لیکن حد سے تجاوز اور ناشکری نہ کرو۔ مثلاً نفس میں غرق کرنا، ان نعمتوں پر اترانا، مستحق کو نہ دینا، مغرور ہو جانا، اللہ کی دی ہوئی دولت کو گناہ کے کاموں میں خرچ کرنا وغیرہ۔ اگر تم حد سے تجاوز کرو گے تو تم پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور تمہیں ذلت و رسوائی کے تاریک غار میں دھکیل دیا جائے گا۔

غرض بنی اسرائیل نے ناشکری کر کے اپنا ہی نقصان کیا کیونکہ ناشکری کے سبب وہ آخرت میں اللہ کے عذاب کے مستحق ہوئے اور دنیا میں انہوں نے اپنا رزق کھویا جو بلا مشقت اور بلا حساب [illegible] ان کو ملتا تھا۔

پھر فرمایا کہ کوئی کتنا ہی بڑا مجرم کیوں نہ ہو، اگر وہ سچے دل سے توبہ کر کے ایمان و

عمل صالح کا راستہ اختیار کرلے اور مرتے دم تک اس پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بخش دے گا کیونکہ اس کے ہاں بخشش و رحمت کی کمی نہیں۔

(روح المعانی ۲۳۸۔۲۴۱/۱۶، عثمانی ۹۰/۲)

حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر جانا

۸۳۔۸۴۔ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝

اور اے موسیٰ! تم کس لئے جلدی کرکے اپنی قوم سے پہلے آگئے؟

(موسیٰ نے) کہا وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ اور میں جلدی کرکے اس لئے آپ کے پاس آیا کہ آپ خوش ہوں۔

اَعْجَلَكَ: اس نے تجھ سے جلدی کرائی۔ اِعْجَالٌ سے ماضی۔

اَثَرِىْ: میرے پیچھے پیچھے۔ میرا نقش قدم۔

تشریح: فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے ایک دستور ہدایت اور قانون شریعت کا مطالبہ کیا تاکہ وہ اس کے مطابق زندگی گزاریں۔ حضرت موسیٰ کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا اور حکم دیا کہ ستر علما کو اپنے ہمراہ لے کر کوہ طور پر پہنچ جاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ستر علما کو لے کر کوہ طور کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب کوہ طور کے قریب پہنچے تو شدت شوق سے بیتاب ہو کر تیز تیز چل کر سب سے پہلے طور پر پہنچ گئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی پہاڑ پر پہنچنے کے لئے کہہ گئے۔

جب حضرت موسیٰ پہاڑ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار! قوم کے لوگ بھی پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ میں تو محض تیری خوشنودی اور رضا کے لئے جلد حاضر ہوا ہوں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۷/۵، عثمانی ۹۱/۲)

سامری کا قوم کو گمراہ کرنا

۸۵۔ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور (وہ یہ کہ) سامری نے ان کو گمراہ کر دیا ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰ کوہ طور پر جاتے وقت اپنے بھائی حضرت ہارون کو اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے اور ان کو تاکید کر گئے تھے کہ ان لوگوں کو توحید اور عبادت پر قائم رکھنا۔ حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر چلے جانے کے بعد سامری نامی ایک شخص نے سونے چاندی کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنایا اور اس میں ہوا کے آنے جانے کے لئے ایک ایسا رستہ رکھا جس سے بیل جیسی آواز پیدا ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل جو مصر میں مصریوں کو گائے بیل پوجتے دیکھا کرتے تھے اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس کی عبادت کرنے لگے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تو یہاں آ گئے اور ہم نے تمہاری قوم کو ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا۔ یعنی اصل فتنہ تو من جانب اللہ ہے لیکن اس کا ظاہری سبب اور واسطہ سامری بنا ہے کیونکہ اسی کے گمراہ کرنے سے لوگوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کی تھی۔ جمہور کی رائے میں سامری حضرت موسیٰ کے عہد کا منافق تھا اور منافقوں کی طرح فریب اور چالبازی سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی [illegible])

حضرت موسیٰ کا قوم پر برہم ہونا

۸۶۔۸۸۔ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَمْ

يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدتُّمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ۝ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ۝

پس حضرت موسیٰ سخت غصے اور افسوس کی حالت میں اپنی قوم کی طرف لوٹے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا تم پر بہت طویل زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو؟ پھر تم نے (یوں) مجھ سے وعدہ خلافی کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدے کے خلاف نہیں کیا بلکہ قوم (قبط) کے جو زیورات ہم پر لاد دیئے گئے تھے (سامری کے کہنے سے) ہم نے ان کو (آگ میں) پھینک دیا۔ پھر اسی طرح سامری نے (بھی اپنا زیور) ڈال دیا پھر اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا (بنا) نکالا۔ (یعنی) ایک دھڑ جس میں سے ایک آواز نکلتی تھی سو (ان میں سے بعض) کہنے لگے کہ یہی تو تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے لیکن موسیٰ بھول گیا ہے۔

فَقَذَفْنَاهَا: پس ہم نے اس کو ڈال دیا، پس ہم نے اس کو پھینک دیا۔ قَذْفٌ سے ماضی۔

أَلْقَى: اس نے ڈالا۔ اِلْقَاءٌ سے ماضی۔

عِجْلًا: بچھڑا، گائے کا بچہ، گوسالہ۔

جَسَدًا: بدن، دھڑ، قالب۔ جمع اَجْسَادٌ۔

خُوَارٌ: گائے کی آواز۔

تشریح: حضرت موسیٰ قصے کی خبر سن کر چالیس دن کی مدت پوری ہونے پر توریت لے کر اپنی قوم کے عمل پر انتہائی رنج و غم اور غصے میں بھرے ہوئے قوم کی طرف لوٹے اور ان سے کہا کہ اے میری قوم کیا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو وعدہ دے کر تمہارے لئے توریت عطا کرنے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ تم نے نہ توریت کا انتظار کیا اور نہ میری واپسی کا بلکہ جلد بازی کرنے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ کیا یہ چالیس روزہ مدت اتنی طویل تھی کہ تم صبر نہ کر سکے یا تم نے جان بوجھ کر مجھ سے وعدہ خلافی کی اور میری عدم موجودگی میں ایسا کام کیا جو موجب غضب الٰہی ہو۔ فاخلفتم موعدی سے مراد وہ وعدہ ہے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کیا تھا کہ آپ ہمیں اللہ کی کتاب لا دیجئے ہم اس پر عمل کریں گے اور آپ کی پیروی پر قائم رہیں گے۔

حضرت موسیٰ کی قوم کے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنی قدرت و اختیار سے آپ کے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ سامری نے اپنے مکر و فریب سے ہمیں اپنے قابو میں لے لیا تھا۔ اسی نے ہم سے یہ حرکت کرائی۔ اگر ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور سامری ہمیں اپنے مکر و فریب میں نہ پھنساتا تو ہم آپ کے وعدے کے خلاف کبھی نہ کرتے۔ مگر اس کے جال میں ایسے پھنسے کہ اپنے آپ کو نہ روک سکے۔ ہوا یہ کہ ہم پر قوم فرعون کے زیورات کا بوجھ لدا ہوا تھا اور ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا کریں۔ پھر باہمی مشورے سے ہم نے وہ اتار پھینکا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ زیورات ان پر کسی نے نہیں لادے تھے بلکہ انہوں نے حیلہ کر کے یہ کہہ کر خود فرعونیوں سے مستعار لئے تھے کہ ہم عید منانے جا رہے ہیں، عید کے بعد زیورات تمہیں لوٹا دیں گے۔ یہ حیلہ انہوں نے اس لئے کیا تھا کہ اس کے بغیر وہ مصر سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ زیورات چونکہ ان کے لئے حلال نہ تھے اسی لئے وہ ان کو اپنے لئے گناہ اور بوجھ سمجھتے تھے۔

پھر سامری کے کہنے پر انہوں نے وہ زیورات آگ کے گڑھے میں ڈال دیئے اور سامری نے بھی اپنے زیورات گڑھے میں ڈال دیئے۔ پھر سامری نے اسی سونے چاندی کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنا دیا۔ جس میں سے گائے کی آواز آتی تھی۔ سونے چاندی کے بچھڑے میں

سے گائے کی آواز سن کر کہنے لگے کہ اے بنی اسرائیل تمہارا اور موسیٰ کا خدا تو یہ ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو۔ موسیٰ تو اپنے معبود کو بھول گئے اور اس کی تلاش میں کوہِ طور پر گئے ہیں۔

(روح المعانی ۲۴۳۔ ۲۴۸/۱۶، مواہب الرحمٰن ۲۸۰۔ ۲۸۳/۱۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۷۷۔ ۷۲/۵)

بنی اسرائیل کی حماقت

۸۹۔۹۱۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی ۝

کیا وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ (بچھڑا) تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ حالانکہ (حضرت) ہارونؑ پہلے ہی ان سے کہہ چکے تھے کہ اے قوم اس (بچھڑے) سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور بیشک تمہارا حقیقی رب تو رحمٰن ہی ہے سو تم میری اتباع کرو اور میری بات مانو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو اسی (بچھڑے کی عبادت) پر جمے رہیں گے۔ یہاں تک کہ (حضرت) موسیٰ لوٹ کر ہمارے پاس آئیں۔

نَّبْرَحَ : ہم ہمیشہ رہیں گے۔ ہم جمے رہیں گے۔ بَرَحٌ سے مضارع۔

عٰكِفِیْنَ : اعتکاف کرنے والے، گوشہ نشین ہونے والے۔ جم کر بیٹھنے والے۔ عُکُوفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: یہ لوگ پرلے درجے کے احمق تھے کہ محض ایک حیوان کی آواز پر ایمان لے آئے جو نہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کو کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہاں

تک کہ یہ از خود حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تو فرعون سے زیادہ عاجز و بے کس ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا کہ دیکھو تم اس فتنے میں نہ پڑو۔ یہ سراسر گمراہی ہے۔ بلاشبہ تمہارا رب تو رحمٰن ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ تم اس کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکو۔ صرف اسی کی عبادت کرو۔ وہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ سو تم اسی کی عبادت میں میری اتباع کرو اور میرا حکم مانو۔ حضرت ہارون کی گفتگو سن کر قوم کے لوگوں نے جواب دیا کہ جب تک حضرت موسیٰ ہمارے پاس نہیں آ جاتے ہم اسی وقت تک اس بچھڑے کی پوجا کرتے رہیں گے۔ غرض حضرت ہارون نے ان کو بہت سمجھایا، مگر وہ نہ مانے تو انہوں نے قوم کے ان لوگوں سے جو بچھڑے کی پوجا پر قائم رہے، کنارہ کشی اختیار کر لی۔ حضرت ہارون کے ساتھ بہت تھوڑے سے لوگ تھے۔ جنہوں نے بچھڑے کو معبود نہیں بنایا تھا۔

(مواہب الرحمٰن ۲۸۵_۲۸۷/۱۶، ابن کثیر ۱۶۳/۳)

حضرت موسیٰ کا باز پرس کرنا

۹۲_۹۴۔ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝

(حضرت موسیٰ نے آ کر) کہا اے ہارون! جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو تمہیں کس چیز نے روکا تھا کہ تم میرے پیچھے نہ آئے۔ کیا تو نے (بھی) میری نافرمانی کی۔ (حضرت ہارون نے) کہا اے میری ماں کے بیٹے! تو میری داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑ۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری

بات یاد نہ رکھی۔

بِلِحْیَتِیْ : میری ڈاڑھی کو۔

تَرْقُبْ: تو نے نگاہ رکھی۔ تو نے محفوظ رکھا۔ تو نے انتظار کیا۔ رَقُوْبٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے غصے میں بھرے ہوئے واپس آئے تو توریت کی تختیاں زمین پر رکھ کر حضرت ہارون کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کو سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور ملامت کرتے ہوئے کہا کہ اس بت پرستی کے شروع ہوتے ہی تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی۔ تم نے اپنے ہم خیال لوگوں کو ساتھ لے کر بچھڑے کی پوجا کرنے والوں سے مقابلہ و مقاتلہ کیوں نہ کیا۔ تمہیں میری پیروی کرنے سے کس چیز نے روکا۔ حضرت ہارونؑ نے جواب دیا کہ اے میری ماں کے بیٹے میری ڈاڑھی اور میرے سر کو نہ پکڑ۔ میں نے ان کو سمجھانے، نصیحت کرنے اور راہِ راست پر لانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، لیکن میری نصیحت پر عمل کرنے کی بجائے، یہ لوگ مجھے کمزور سمجھ کر میرے قتل کے درپے ہو گئے۔ پھر میں نے یہی مناسب سمجھا کہ تمہارے آنے کا انتظار کروں اور تمہاری عدم موجودگی میں کوئی ایسا کام نہ کروں جس سے بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ جائے۔ اس لئے میں نے ان سے مقاتلہ نہ کیا بلکہ ان کو صرف زبانی نصیحت کرتا رہا۔ حضرت موسیٰ کو حضرت ہارون کے جواب سے ان کی بے گناہی کا یقین ہو گیا۔ (مواہب الرحمٰن ۴۸۸، ۴۸۹/ ۱۶)

سامری سے باز پرس

۹۵۔۹۸۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ○ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ○ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ

تشریح: پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو ڈانٹ پلائی اور کہا کہ اب تو اپنی حقیقت بیان کر کہ تو نے یہ نامعقول حرکت کیوں کی۔ سامری نے جواب دیا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی۔ سو میں نے منہ کے نیچے ہوئے فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سوار دیکھا اور ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ پھر میں نے اس مٹی کو اس آگ میں ڈال دیا جس میں بنی اسرائیل والوں نے اپنے زیورات ڈالے تھے۔ اس مٹی کے ڈالنے سے زیورات پگھل کر ایسے بچھڑا بن گئے اور اس میں سے آواز آنے لگی۔ بنی اسرائیل اس کرشمے کو دیکھ کر مفتون ہو گئے۔ اس کو میرے دل نے پسند کیا اور مجھے اس کام پر آمادہ کیا۔ اس لئے میں نے یہ کام کر ڈالا۔ اس کے سوا اس کا کوئی اور سبب نہیں۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تو ہمارے درمیان سے نکل جا۔ اب دنیوی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو تو کسی چیز کو ہاتھ لگا سکے گا اور نہ کوئی تجھے ہاتھ لگا سکے گا۔ آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہوگی، جس سے چھٹکارا محال ہے۔ اب تو اپنے معبود کا حشر دیکھ جس کی عبادت پر تو جما ہوا تھا۔ ہم اسے جلا کر راکھ کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ سونے کا بچھڑا اس طرح جل گیا جیسے کوئی گوشت پوست کا بچھڑا جل کر راکھ ہو جائے۔ پھر اس کی راکھ کو جمع کر کے دریا میں بہا دیا تاکہ اس کے پوجنے والوں پر خوب واضح ہو جائے کہ یہ بچھڑا دوسروں کو تو کیا نفع پہنچاتا یہ تو اپنے وجود کی بھی حفاظت نہ کر سکا۔

بلاشبہ تمہارا معبود تو صرف اللہ ہے جو تمام صفات کمال کا جامع ہے۔ وہ سب کا مالک و خالق ہے۔ وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک و منزہ ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کا علم نہایت وسیع، لامحدود اور ذرے ذرے کو محیط ہے۔

(حقانی ۳/۳۴۳، ابن کثیر ۳/۱۶۳، ۱۶۴)

سابقہ امتوں کے واقعات سنانے کی حکمت

۹۹-۱۰۱۔ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ○ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح ہم آپ کو ان لوگوں کی خبریں سناتے ہیں جو پہلے گزر چکے۔ اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ (یعنی قرآن) دیا ہے۔ جس نے اس سے اعراض کیا تو قیامت کے روز وہ یقیناً (اس گناہ کا) بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور قیامت کے دن ان کے لئے برا بوجھ ہے۔

لَّدُنَّا : ہماری طرف سے۔

وِزْرًا : بوجھ۔

سَاۗءَ : وہ برا ہے۔ سوءٌ سے ماضی فعل ذم ہے۔

حِمْلًا : بوجھ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہم نے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا اسی طرح ہم آپ کے سامنے گزشتہ حوادث کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کو تسلی ہو اور آپ کی امت کے لئے عبرت و نصیحت ہو۔ بلاشبہ ہم نے آپ کو ایسا قرآن عطا کیا ہے جس میں ماضی کی اقوام کے حالات و واقعات درج ہیں۔ جو شخص اس قرآن سے اعراض کرے گا، اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو بلاشبہ قیامت کے روز وہ کفر و معصیت کا بھاری بوجھ اپنے اوپر لادے ہوگا جو کبھی ہلکا نہ ہوگا۔ پھر گنہگاروں کے اس بوجھ کا اٹھانا کوئی آسان نہیں۔ جب یہ لوگ اس بوجھ کو اٹھائیں گے تب ان کو پتہ چلے گا کہ اتنا برا

جس دن صور پھونکا جائے گا اور اس دن ہم سب مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہوں گی۔ وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ تم (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے ہو گے۔ ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کہیں گے جبکہ ان میں سب سے زیادہ صاحب الرائے یہ کہے گا کہ تم تو صرف ایک ہی روز ٹھہرے۔

زرقا : کیری آنکھ، نیلی آنکھ، اس کا واحد ازرق

یومئذ : اس روز، کس دن یہ یوم اور اذ سے مرکب ہے۔

یتخافتون : وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں۔ تخافت سے مضارع۔

تشریح: قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو ہم مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور چہرے سیاہ ہوں گے، ان پر پیاس غالب ہو گی اور وہ بے حواس ہوں گے۔ اس وقت وہ خوف کے مارے چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ تم تو دنیا میں صرف دس روز رہے یعنی آخرت کے طول اور وہاں کے ہولناک احوال کی شدت کو دیکھ کر وہ دنیا کے طویل قیام کو صرف دس دن کے برابر خیال کریں گے۔

صور ایک سینگ کی طرح کی چیز ہے جس میں پھونک مار کر لوگوں کو حشر کے لئے بلایا جائے گا۔ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی دفعہ میں تمام دنیا فنا ہو جائے گی، کوئی زندہ نہیں بچے گا۔ دوسری دفعہ پھونکنے سے ابتداء سے آج تک سب زندہ ہو جائیں گے اور سب کو حشر میں جمع کیا جائے گا۔ دونوں نفخوں کے درمیان ۴۰ سال کا فاصلہ ہوگا۔ یہاں نفخ سے مراد نفخۂ دوم ہے۔

پھر فرمایا کہ جس مدت کے بارے میں وہ باہم سرگوشیاں کریں گے وہ ہمیں خوب معلوم ہے۔ ان میں سے جو زیادہ عقلمند، صاحب الرائے اور ہوشیار ہوگا وہ کہے گا کہ دس بھی کہاں، صرف ایک ہی دن۔ گویا دنیوی قیام کو ایک دن کے برابر کہنے والے کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ صاحب الرائے اس لئے قرار دیا کہ اس نے آخرت کی بقا اور دوام کے مقابلے میں دنیوی قیام کو

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ کسی ثقفی آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کے روز ان پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ اس کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوگئیں۔

ابن المنذر نے ابن جریج کی روایت سے بیان کیا کہ قریش نے سوال کیا تھا کہ قیامت کے دن آپ کا رب ان پہاڑوں کا کیا کرے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
(مظہری ۱۴۵/۶)

تشریح: منکرین آخرت تمسخر کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے کہ اگر قیامت قائم ہوگی تو ان پہاڑوں کا کیا ہوگا اور اس دن یہ پہاڑ کہاں ہوں گے۔ ان کے خیال میں پہاڑوں کا نیست و نابود ہونا محال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ میرا رب اپنی قدرت کاملہ سے ان پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرکے پوری طرح ہوا میں اڑا دے گا۔ پھر ان کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ ان کے نیچے کی زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ اس میں، ونچائی اور نیچائی کا نام و نشان بھی نہ ہوگا۔

اس وحشت ناک منظر کے ساتھ ہی ایک آواز دینے والا آواز دے گا۔ ساری مخلوق اس کی آواز پر لگ جائے گی۔ کوئی بھی اس آواز کی پیروی سے انحراف نہ کر سکے گا۔ سب سیدھے دوڑتے چلے آئیں گے۔ نہ کوئی ادھر ادھر ہوگا اور نہ کوئی ٹیڑھا ترچھا چلے گا۔ سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔ اس روز ہیبت کی وجہ سے تمام آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہو جائیں گی۔ سوائے پیروں کی چاپ کے کچھ سنائی نہ دے گا۔ (مظہری ۱۴۶/۶، ابن کثیر ۱۶۵/۳)

کسی سفارش کا کام نہ آنا

۱۰۹، ۱۱۰۔ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ

عِلْمًا ○ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ○ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ○

اس دن سفارش کچھ نفع نہ دے گی مگر اس کی جس کو رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔ وہ ان کے اگلے پچھلے احوال جانتا ہے اور ان کا علم اس (اللہ تعالیٰ) پر حاوی نہیں ہو سکتا اور تمام چہرے اس حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے اور یقیناً وہ برباد ہوا جو ظلم لے کر آیا اور جس نے اچھے کام کئے ہوں گے اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ حق تلفی کا۔

عَنَتْ : وہ جھک گئے۔ وہ ذلیل ہو گئے۔ عُنُوٌّ سے ماضی۔

خَابَ : وہ ناکام ہوا۔ وہ نامراد ہوا۔ خَيْبَةٌ سے ماضی۔

هَضْمًا : کم کرنا۔ توڑنا۔ حق تلفی کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: قیامت کے روز کسی کو بھی دوسرے کے لئے شفاعت کی مجال نہ ہوگی۔ اللہ کی اجازت کے بغیر نہ آسمان کے فرشتے کسی کی سفارش کر سکیں گے اور نہ کوئی بزرگ و نیک بندہ کسی کی سفارش کر سکے گا۔ سب پر خوف طاری ہوگا۔ روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت تو کیا لب بھی نہ کھول سکے گا۔ خود سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں عرش کے نیچے آؤں گا اور اللہ کے حضور سجدے میں چلا جاؤں گا اور مجھ پر اللہ کی تعریف کے ایسے کلمات کھول دیئے جائیں گے جن کو میں آج بیان نہیں کر سکتا۔ پھر جو اللہ چاہے گا میں اس سے مانگوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر اٹھایئے اور اپنی بات کہئے۔ آپ کی بات سنی جائے گی۔ آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اللہ

تعالیٰ میرے لئے ایک حد مقرر کرے گا۔ جن کو میں (اپنی سفارش کے ذریعے) جنت میں داخل کر دوں گا۔ پھر میں لوٹوں گا اور پھر یہی عمل دہرایا جائے گا۔ آپ نے اسی طرح چار مرتبہ فرمایا اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جہنم سے ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے دل میں ایک مثقال دین ہو گا سو آپ جنت سے لوگوں کو جہنم سے نکال لائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس کے دل میں آدھا مثقال ایمان ہو اسے بھی آگ سے نکال لاؤ۔ جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ جس کے دل میں اس سے بھی کم اور اس سے بھی کم اور اس سے بھی کم ایمان ہو اس کو بھی آگ سے نکال لاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے۔ مخلوق اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ قیامت کے روز تمام مخلوق کے چہرے عاجزی، بے بسی اور ذلت و خواری کے ساتھ اس حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے، کیونکہ وہ موت، فوت سے پاک ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ نہ اس کو نیند آتی ہے اور نہ اونگھ، وہ خود اپنے آپ قائم رہنے والا اور ہر چیز کو اپنی قدرت سے قائم رکھنے والا ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے وہ نہ چاہے تو نہ کوئی شے پیدا ہو سکے اور نہ باقی رہ سکے۔ جس نے دنیا میں ظلم کیا ہو گا وہ قیامت کے روز تباہ و برباد ہو گا۔ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ وہ شخص نقصان میں رہے گا جس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا۔

جس نے ایمان کی حالت میں نیک کام کئے ہوں گے قیامت کے دن اس کو نہ تو نیکیوں کا ثواب کم ہونے کا اندیشہ ہو گا اور نہ اس بات کا خوف ہو گا کہ دوسروں کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے بلکہ ہر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملے گی اور مومن صالح کو اس کے عمل صالح کی جزا ملے گی۔ (روح المعانی ۲۶۲، ۲۶۳/۱۶، ابن کثیر ۳/۱۶۹)

منکرین کو تنبیہ

۱۱۳ - ۱۱۴۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ

يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ
وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ
رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ○

اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں اتارا ہے اور اس میں طرح طرح کی خوف دلانے والی باتیں بیان کی ہیں تاکہ وہ لوگ ڈریں یا یہ (قرآن) ان میں سمجھ پیدا کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ بڑی شان والا حقیقی بادشاہ ہے اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک اس کی پوری وحی آپ کی طرف نازل نہ ہو جائے آپ قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کیجئے اور دعا کرتے رہئے کہ اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے۔

صرّفنا ہم نے طرح طرح سے بیان کیا۔ ہم نے پھیر پھیر کر کہا۔ تصریف سے ماضی۔
یُقضٰی اس کی تکمیل (صورت) آئے گی۔ وہ پورا کیا جائے گا۔ قضاءٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہم نے گزشتہ امتوں کے حالات و واقعات آپ پر نازل کئے اسی طرح یہ قرآن بھی عربی زبان میں نازل کیا تاکہ اہل عرب اس کے اعجاز کو دیکھ کر اس کے وعدہ وعید پر ایمان لے آئیں اور سعادت ابدی حاصل کر لیں۔ ہم نے اس قرآن میں عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو بار بار بیان کیا ہے تاکہ لوگ پرہیزگار بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ حقیقی بادشاہ اور بڑی اعلیٰ شان والا ہے۔ جس طرح اس کی ذات و صفات میں مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے اسی طرح اس کا کلام بھی مخلوق کے کلام کی مماثلت سے اعلیٰ و بالا ہے۔ وہ مشرکوں کے شرکیہ اقوال سے بلند و برتر ہے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مفید و عجیب قرآن کو ہم بتدریج نازل کرتے ہیں۔ آپ کبھی اس کو جبرائیل سے لینے میں جلدی نہ کیا کریں۔ جب فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آئے تو آپ وحی کے پورا ہونے سے پہلے اس کو دہرانے میں جلدی نہ کیا کریں۔ قرآن کریم کو آپ کے سینے میں محفوظ رکھنے کا ذمہ ہم نے لے رکھا ہے۔ اس لئے اس کو یاد رکھنے کی فکر میں پڑنے

کی ضرورت نہیں۔ بلکہ آپ یہ دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی اور زیادہ سمجھ اور علم بخشے، دوم مزید عطا فرمائے۔ (مظہری ۱۹۹/۶، حقانی ۸۹/۳)

حضرت آدم کی بھول

۲۰: ۱۱۵۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ○ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ ○ فَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ ٱلْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰٓ ○ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ○ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا۟ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ○

اور اس سے پہلے ہم نے آدم سے بھی عہد لیا تھا پھر وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے کہا اے آدم یہ (شیطان) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے سو ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے۔ پھر تو مشقت میں پڑ جائے۔ بیشک اس (جنت) میں تو نہ بھوکا رہے گا اور نہ ننگا اور یہ کہ نہ تو تو یہاں پیاسا رہے گا اور نہ دھوپ سے تکلیف اٹھائے گا۔

تجوع: تو بھوکا رہتا ہے۔ جُوعٌ سے مضارع۔

تعرٰی: تو ننگا ہو گا۔ عُریٌ سے مضارع۔

تظمؤ: تجھے پیاس لگے گی۔ تو تشنہ رہے گا۔ ظَمأٌ سے مضارع۔

تضحٰی: تو دھوپ کھائے گا۔ ضحیٌ سے مضارع۔

تشریح: ہم نے اس سے بہت مدت پہلے آدم کو بھی حکم دیا تھا اور نصیحت کر دی تھی کہ

اس خاص درخت میں سے نہ کھانا اور یہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ لیکن وہ ہماری نصیحت کو بھول گئے اور ان سے چوک ہو گئی اور وہ شیطان کے قسم کھانے سے دھوکہ کھا گئے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ ہم نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے سو تم اس کو سجدہ کرو۔ پس ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا کیونکہ وہ اللہ کے نافرمان نہیں ہیں۔ اور نہ ان میں کسی سے عداوت کا مادہ ہے مگر ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ حاسد تھا۔ جب اس نے حضرت آدم کے حق میں اللہ کی نعمت کے آثار دیکھے تو وہ حسد کی بنا پر ان کا دشمن ہو گیا۔ پھر ہم نے آدم سے کہا کہ بلا شبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے سو تم اس سے ہوشیار رہنا۔ یہ ہر وقت تمہیں جنت سے نکلوانے کی فکر میں لگا ہوا ہے پس تم اس کے بہکانے سے ایسا کام نہ کر بیٹھنا جس کی وجہ سے جنت سے نکلنا پڑے اور دنیا کی مشقت اٹھانی پڑے۔

جنت میں تو بلا مشقت اور بلا محنت اللہ کی طرف سے تمام ضروریات زندگی فراہم ہیں مثلاً بھوک دور کرنے کے لئے کھانا، پیاس کے لئے پانی، برہنگی کے لئے لباس اور رہنے کے لئے سایہ دار مکان وغیرہ۔ اگر تجھے یہاں سے نکالا گیا تو دنیا میں تو حصول رزق اور دیگر سامان زندگی فراہم کرنے کے لئے بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بھوکا ہونا باطنی ذلت ہے اور ننگا ہونا ظاہری ذلت ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو آگاہ کر دیا کہ یہاں تجھے ظاہری و باطنی کوئی ذلت و محتاجی نہیں جبکہ جنت سے نکل کر دنیا میں پہنچتے ہی ان سب سے سابقہ پڑے گا۔

(مظہری ۱۶۷ ۔ ۱۶۹ / ۶، مواہب الرحمٰن ۳۱۰ ۔ ۳۱۲ / ۱۶، ابن کثیر ۱۶۷، ۱۶۸ / ۳)

شیطان کا حضرت آدم کو پھسلانا

۱۲۰۔ ۱۲۲۔ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ

فَغَوٰی ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰی ۝

پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا اور کہنے لگا اے آدم کیا میں تمہیں دائمی زندگی کا درخت اور ایسی بادشاہت بتاؤں جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔ سو ان دونوں (آدم و حوا) نے اس درخت میں سے کچھ کھالیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانپنے کے لئے) دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے (نادانستہ) اپنے رب کی نافرمانی کی سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔ پھر ان کے رب نے ان کو نواز دیا۔ سو ان کی طرف توجہ فرمائی اور ان کی رہنمائی فرمائی۔

یَبْلٰی وہ پرانا ہوگا۔ وہ زائل ہو کر دور ہوگا۔ بِلًی سے مضارع۔

فَبَدَتْ : پس وہ ظاہر ہوئی۔ بُدُوٌّ سے ماضی۔

سَوْاٰتُهُمَا : ان دونوں کی شرمگاہیں۔

طَفِقَا وہ دونوں کرنے لگے۔ ان دونوں نے شروع کیا۔ طَفِقٌ و طُفُوْقٌ سے ماضی۔

یَخْصِفٰنِ : وہ دونوں لگاتے ہیں۔ وہ دونوں چپکانے لگے۔ خَصْفٌ سے مضارع۔

تشریح : آخر شیطان نے مکاری سے انہیں اپنے جال میں پھانس لیا۔ وہ قسمیں کھا کھا کر انہیں اپنی خیرخواہی کا یقین دلانے لگا کہ جو اس درخت میں سے کھاتا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہتا ہے اور اس کی سلطنت کبھی زائل نہیں ہوتی۔ جب شیطان نے اللہ کی قسم کھا کر حضرت آدم سے کہا تو ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ کوئی اللہ کا نام لے کر بھی جھوٹ بول سکتا ہے۔

پس جب شیطان کے بہکانے میں آکر دونوں نے یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا نے اس درخت سے کھالیا جس کے کھانے کی ان کو ممانعت کی گئی تھی۔ تو فوراً دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہوگئے اور وہ گھبرا کر اپنے اوپر جنت کے درختوں کے پتے چپکانے لگے۔ اس طرح حضرت آدم سے اپنے رب کا قصور ہوگیا اور وہ راہِ راست سے ہٹ گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کو اپنے خاص بندوں میں شامل فرمایا اور

ان کو توبہ کی توفیق دی چنانچہ حضرت آدم نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، پھر ان کو اس توبہ پر ثابت و مستقیم کر دیا کہ یہ توبہ پھر کبھی نہ ٹوٹی، اس طرح حضرت آدم اپنی گریہ وزاری اور ندامت و شرمساری اور توبہ و معذرت کی بنا پر پہلے سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بن گئے۔ اور شیطان مردود کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

(مواہب الرحمٰن ۱۶، ۳۱۶۔ ۳۱۹/۱۶)

حضرت آدم کو زمین پر اترنے کا حکم

۱۲۳ تا ۱۲۷۔ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ○ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ○ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ○ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ ○ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِن بِآيَاتِ رَبِّهِ ۚ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اکٹھے اترو۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو جو شخص میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور جو میری اس نصیحت سے روگردانی کرے گا تو اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟ اور تحقیق میں تو دیکھنے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسی طرح تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں۔ پھر تو نے ان کو

فراموش کر دیا تھا اور اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا اور جو کوئی
حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانے تو ہم اس کو
ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور البتہ آخرت کا عذاب نہایت ہی سخت اور
بہت دیرپا ہے۔

اِهْبِطَا: تم دونوں اترو، هُبُوطٌ سے امر۔

یَشْقٰی: وہ مشقت میں پڑتا ہے۔ وہ بدبخت ہوتا ہے۔ شَقَاوَةٌ سے مضارع۔

ضَنْكًا: تنگی، تنگ ہونا، مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا اور ابلیس لعین و مردود کو فوراً زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ بظاہر یہ خطاب عتاب ہے مگر حقیقت میں یہ خطاب تکمیل شرف و تکریم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ ان کو روئے زمین کا خلیفہ بنایا جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت سے زمین پر اترنے کا حکم دیا تاکہ وہ دنیا میں منصب خلافت پر فائز ہوں اور جو لغزش سہواً یا نسیاناً ان سے سرزد ہو گئی تھی وہ توبہ و استغفار سے معاف ہو گئی۔

پس تم دنیا میں اس حال میں اترو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو یعنی آدم کی اولاد اور ابلیس میں دشمنی ہو گی اور دنیا میں فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ اس کا علاج آسمانی ہدایت اور حکم خداوندی کی پیروی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ ایسی حالت میں تمہارے پاس میرے رسول اور میری کتابیں آئیں تو تم ان کی پوری طرح اتباع کرنا کیونکہ میری بتائی ہوئی راہ کی اتباع کرنے والے نہ تو دنیا میں رسوا ہوں گے اور نہ آخرت میں ذلیل و خوار ہوں گے۔ البتہ میرے احکام کے خلاف کرنے والے اور میرے رسولوں کے طریقے کو ترک کرنے والے دنیا میں بھی اپنی گمراہی کے سبب تنگی اور مشقت میں رہیں گے اور آخرت کی نعمتوں میں بھی ان کا کوئی حصہ نہ ہو گا۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں کو ہم اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ اس وقت کافر کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا، خوب دیکھتا تھا پھر مجھے اندھا کیوں کر دیا گیا؟ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرمائے گا کہ یہ ہماری آیتوں سے منہ موڑ لینے کا بدلہ ہے۔ دنیا میں تیرے پاس ہماری ہدایت کی واضح اور خوب روشن نشانیاں پہنچیں۔ تو نے ان کو

بھلا دیا اور ان سے منہ موڑ لیا اور تو دنیا میں ان کے بارے میں اندھا بنا رہا۔ اس لئے آج ہم نے بھی تیرے ساتھ وہی معاملہ کیا جو تو نے دنیا میں ہماری آیتوں کے ساتھ کیا تھا۔

جو شخص حدود خداوندی کی پرواہ نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے ہم اس کو اسی طرح دنیا و آخرت کے عذابوں میں مبتلا کرتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی شدید اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ وہاں کوئی نہ ہوگا جو اس کو اس عذاب سے بچائے یا اس میں کمی کردے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۹۸۔۵۹۹ / ۴، ابن کثیر ۱۶۸، ۱۶۹ / ۳)

مشرکین کو تنبیہ و تہدید

۱۲۸۔۱۳۰۔ اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ۝ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّی ۝ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی ۝

کیا اس بات نے بھی ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی گروہ ہلاک کر دیئے، جن کے رہنے بسنے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں۔ بیشک اس میں تو عقلمندوں کے لئے (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو عذاب لازم ہو چکا ہوتا۔ پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح اور تعریف بیان کرتے رہئے سورج طلوع ہونے سے پہلے

اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی اور
دن کے ابتدائی اور آخری حصوں میں بھی تسبیح کرتے رہیے تاکہ آپ
راضی ہوں۔

اَلْقُرُوْن: گروہ، امتیں، زمانے۔

اَلنُّھٰی: عقلیں۔ واحد نُھْیَۃٌ

اٰنَآئِ: اوقات، گھڑیاں۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اور آپ کی شریعت کا انکار کرتے ہیں وہ اس بات سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے کہ ان سے پہلے جن لوگوں یعنی عاد و ثمود وغیرہ نے انبیاء سے سرکشی اور اعراض کیا تھا ہم ان کی کتنی ہی بستیاں تباہ و برباد کر چکے ہیں۔ آج ان سرکشوں میں سے ایک آدمی بھی زندہ نہیں۔ ان کے بلند و بالا اور خوبصورت و کشادہ محل ویران کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔ یہ منکرین ملک شام جاتے ہوئے ان کھنڈروں پر گزرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ عقلمند ہوتے تو ان کھنڈرات کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرتے۔ کیا ان اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ یہ لوگ آنکھوں ہی کے اندھے نہیں بلکہ دل کے بھی اندھے ہیں۔ اسی لئے یہ ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ بڑے سخت مجرم ہیں۔ اگر آپ کے رب کی طرف سے یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ وہ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا اور ان کے عذاب کا وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر فوراً اچانک طور پر عذاب آجاتا۔ ان کے عذاب کا وقت مقرر ہو چکا ہے اس لئے ان کو بداعمالیوں کی سزا اسی مقررہ وقت پر ملے گی۔ سو آپ ان کی تکذیب اور بیہودہ باتوں پر صبر کیجئے اور صبح و شام اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہیے اور رات کے اوقات میں بھی اس کی تسبیح اور حمد و ثنا کرتے رہیے۔ امید ہے کہ قیامت کے روز آپ اس کے اجر و ثواب کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۰۳، ۶۰۲ / ۷، ابن کثیر ۲۲۷ / ۴)

اسبابِ عیش پر نظر نہ کرنے کی تاکید

۱۳۱،۱۳۲۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جو ہم نے مختلف گروہوں کو استعمال کے لئے دے رکھی ہیں تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں (کیونکہ) وہ (محض) دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا دیا ہوا رزق ہی بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس پر قائم رہئے۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم خود آپ کو روزی دیتے ہیں اور بہتر انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے جو عیش و آسائش کے سامان دے رکھے ہیں آپ ان کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھئے۔ یہ محض چند روزہ بہار ہے جس کے ذریعے ہم ان کافروں کو آزماتے ہیں کہ کون ان میں سے احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو عظیم الشان دولت آپ کو دے رکھی ہے مثلاً قرآن کریم، منصبِ رسالت، فتوحاتِ عظیمہ، رفعِ ذکر اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب، ان کے سامنے ان فانی اور حقیر چیزوں کی کیا حقیقت ہے۔ جو دولت آپ کو عطا کی گئی ہے، وہ اس دولت سے جو ان کو حاصل ہے کہیں بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

آپ اپنے متعلقین و متبعین کو نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اس پر عمل پیرا رہئے۔ ہم نے آپ کو اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ آپ ہماری مخلوق میں سے کسی کو رزق مہیا

کریں یا اپنا رزق خود پیدا کریں۔ رزق تو ہم دیں گے آپ کو بھی اور ان کو بھی۔ آپ تو عمل صالح کرتے رہیے اور نماز پڑھتے رہیے اس کے نتیجے میں اللہ آپ کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے روزی کا ملنا آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

(سورۂ طلاق آیات ۲، ۳)

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا رہے تو اللہ اس کے لئے نجات کی شکل پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو گا۔ (جلالین ۱/۱۰۱، ۲، مظہری ج ۶ ص ۱۷۸/۹)

کفار کا مطالبۂ معجزات

۱۳۳ تا ۱۳۵۔ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝

وہ کہتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے۔ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں میں کی نشانیاں نہیں پہنچ چکیں اور اگر اس سے پہلے ہی ہم ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم رسوا اور ذلیل ہونے سے پہلے ہی تیری آیتوں کی اتباع کرتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر ایک انجام کا منتظر ہے سو

تم بھی انتظار کرو۔ پھر بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے
راستے والے کون ہیں اور ہدایت پانے والا کون ہے۔

مُتَرَبِّصٌ: انتظار کرنے والا۔ راہ دیکھنے والا۔ مراد اعمال کے نتائج کا منتظر۔ تَرَبُّصٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: منکرین و مشرکین ہٹ دھرمی سے یہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر کوئی نشانی کیوں نہیں لایا۔ کیا دوسری بہت سی نشانیوں کے علاوہ سب سے بڑا عظیم الشان یہ قرآن ان کے پاس نہیں آچکا جو سابقہ امتوں کے حال بیان کرتا ہے اور سابقہ کتب کے ضروری مضامین کا محافظ اور ان کی صداقت کے لئے حجت و گواہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کریم کا اعجاز آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ کیا یہ روشن نشانی آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لئے کافی نہیں۔ یہ لوگ اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ ایسی عظیم الشان نشانی دیکھنے کے بعد تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی نشانی کیوں نہیں لایا۔ بالفرض اگر ہم قرآن نازل نہ کرتے اور کتاب اور رسول کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم ان کو عذاب میں پکڑ لیتے تو قیامت کے روز یہ کہتے کہ سزا دینے سے پہلے ہمارے پاس کوئی کتاب اور سمجھانے والا کیوں نہیں بھیجا جو ہمیں ذلت و رسوائی اٹھانے سے پہلے توحید کی طرف بلاتا اور ہم تیرے احکام کی پیروی کر لیتے۔ غرض قرآن نہ آتا تو یوں کہتے۔ آ گیا تو اسے چھوڑ کر دوسری من گھڑت نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان کا مقصد ہدایت حاصل کرنا نہیں بلکہ حیلے بہانے تراشنا ہے۔ خیر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اور تم دونوں انتظار کرتے ہیں۔ عنقریب یعنی مرنے کے بعد قیامت کے روز معلوم ہو جائے گا کہ کون راہِ راست پر تھا اور کون ہدایت پا کر منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔

(عثمانی ۱۰۲،۱۰۱ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۰۵، ۶۰۶ / ۴)

قرار دیا مذکور ہے۔

رکوع ۳: اثبات وحدانیت، تمام جانداروں کا فانی ہونا مذکور ہے۔ پھر کفار کے استہزا کا جواب اور ان کا آگ کی حقیقت سے بے خبر ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۴: باطل معبودوں کی حقیقت، کفار کی غفلت و غرور اور ان کا حق سے بے بہرہ ہونے کا بیان ہے۔ پھر قیامت کے روز عدل وانصاف کی ترازو قائم کرنے اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا واقعہ مذکور ہے۔

رکوع ۵: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ، ان کا بتوں کو توڑنا، کفار کی ندامت اور ان کی طرف سے حضرت ابراہیم کو زندہ جلانے کا فیصلہ مذکور ہے۔ پھر حضرت ابراہیم و حضرت لوطؑ کی ہجرت کا بیان ہے۔

رکوع ۶: حضرت نوحؑ و حضرت داود علیہما السلام کے واقعات اور حضرت داود علیہما السلام کا زرہیں بنانا بیان کیا گیا ہے۔ پھر حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت اسمٰعیل، ادریس، حضرت یونس، حضرت زکریا اور حضرت مریم علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ آخر میں توحید خداوندی پر انبیا کا اجماع مذکور ہے۔

رکوع ۷: معذب قوموں کی محرومی، مشرکین اور ان کے بتوں کا جہنم کا ایندھن ہونا بیان کیا گیا ہے۔ پھر مومنوں کا حال، قیامت کے روز آسمانوں کا لپیٹا جانا مذکور ہے۔ آخر میں مومنین سے اللہ کے وعدے اور دعوت توحید کا بیان ہے۔

یومِ حساب سے غافل ہونا

۱۔۲۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ○ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ○ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ پھر بھی لوگوں کی غفلت میں کمی نہیں آئی۔ نہ وہ اس کے لئے کوئی تیاری کر رہے ہیں، جو ان کے کام آئے بلکہ وہ دنیا میں مشغول و منہمک ہو کر یوم حساب کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے کلام اور وحی کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ جب ان کے سامنے کوئی ایسی آیت پڑھی جاتی ہے جو نزول کے اعتبار سے تازہ اور نئی ہو تو یہ اس کو دل لگا کر اور توجہ سے نہیں سنتے بلکہ اس وقت بھی ان کے دل ہنسی کھیل میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ جو اپنے آپ کو نبی اور رسول کہتے ہیں یہ تو ہم جیسے ہی انسان ہیں یہ کوئی فرشتے تو ہیں نہیں کہ ہم ان کی بات مان لیں۔ یہ تو بالکل ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ہم جیسے آدمی کو رسالت و وحی کے ساتھ مختص کر دے۔

ان بدکرداروں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ﷺ ان کو بتا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تمام باتیں جانتا ہے۔ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ تمہاری سب باتوں کا سننے والا اور تمہارے حالات کا علم رکھنے والا ہے، سو تمہیں تو اس سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے۔

یہ منکرین اس قرآن کو کبھی جادو کہتے ہیں، کبھی پریشان خواب کہتے ہیں اور کبھی اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہنے لگتے ہیں کہ اس کو اللہ کا کلام کہنا تو اللہ پر افترا اور بہتان ہے، پھر کبھی کہتے ہیں یہ تو کوئی شاعر آدمی ہے اس کے کلام میں شاعرانہ خیالات ہوتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہ کوئی نبی اور رسول ہیں تو ان کو ہمارے مطلوبہ معجزے دکھانے چاہئیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سابقہ امتوں میں اس کا تجربہ و مشاہدہ ہو چکا ہے کہ وہ منہ مانگے معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ان کو دنیا ہی میں عذاب نازل کر کے ختم کر دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی مطلوبہ معجزے دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے ان کو ان کا مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۱۷۰، ۱۷۱/ ۶، ابن کثیر ۱۷۰، ۱۷۳/ ۳)

انبیا کا انسان ہونا

ع۔ پ۱۰ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ○ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاۗءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ○ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ سے پہلے بھی تو ہم نے آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔ سو اگر خود تمہیں علم نہ ہو تو تم اہل کتاب سے پوچھ لو اور ہم نے ان کے ایسے بدن بھی نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے ان سے کئے ہوئے وعدے کو سچ کر دیا۔ پھر ہم نے ان کو اور جس کو چاہا نجات عطا فرمادی اور حد سے گزرنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ یقیناً ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

تشریح: منکرین اس کو نہیں مانتے تھے کہ کوئی انسان اللہ کا رسول ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جتنے رسول آئے وہ سب انسان ہی تھے، ان میں سے ایک بھی فرشتہ نہیں تھا۔ ان کافروں سے پہلے جو کافر گزرے ہیں انہوں نے بھی انبیا کو نہ ماننے کا یہی حیلہ کیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے۔

اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا ۔ (سورۃ التغابن آیت ۶)

کیا ایک انسان ہمارا رہنما ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تمہیں سابقہ انبیا کا حال معلوم نہیں کہ وہ انسان تھے یا فرشتے تو تم اہل علم یعنی یہود و نصاریٰ سے پوچھ لو کہ ان کے پاس انسان ہی رسول بنا کر بھیجے گئے تھے یا فرشتے۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ان کے پاس انہی جیسے انسانوں کو رسول بنا کر بھیجتا ہے تاکہ لوگ ان کی صحبت میں رہ کر ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں اور ان کی باتوں کو سمجھ کر ان پر عمل کر سکیں۔

مشرکین کے خیال کے برخلاف سابقہ انبیا بھی کھانے پینے کے محتاج تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۔ (سورۂ الفرقان، آیت ۲۰)

اور آپ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے۔

ہم نے کوئی بھی ایسا نہیں پیدا کیا جس کو موت ہی نہ آئے۔ جس طرح اور لوگوں کو موت سے دوچار ہونا پڑتا ہے اسی طرح انبیاء پر موت طاری ہوتی ہے۔ دنیا میں کسی بھی بشر کے لئے بقا اور دوام نہیں خواہ وہ پیغمبر ہو یا عام آدمی۔ تمام پیغمبر انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے۔ کوئی ان پر ایمان لایا اور کسی نے کفر و انکار کیا۔ پس جن لوگوں نے انبیا کی پیروی کی ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ان کو عذاب سے بچا لیں گے اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیں گے۔ سو اس وعدے کے مطابق ہم نے مومنوں کو نجات دی اور کفر و معصیت میں حد سے بڑھنے والوں کو دنیاوی عذاب سے ہلاک کیا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف نازل کی ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے اور یاد دہانی ہے۔ اس میں تمہارے لئے فضیلت و شرف ہے کہ اس کو تمہاری زبان میں نازل کیا گیا۔ تعجب ہے تم پھر بھی اس نعمت کی قدر نہیں کرتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ○ (سورۂ الزخرف، آیت ۴۴)

اور بیشک وہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے نصیحت ہے اور بہت

حصیدًا : کٹی ہوئی کھیتی، جڑ سے کٹا ہوا۔

خامدین : بجھنے والے، بجھی ہوئی۔ خمدٌ و خمُودٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ان کے ظلم و اسراف کی سزا میں تباہ و برباد کر دیا۔ پہلے یہ بستیاں خوب آباد اور بارونق تھیں۔ پھر جب وہاں کے لوگ ظلم و تعدی میں حد سے بڑھ گئے تو ہم نے ان بستیوں کو توڑ پھوڑ کر ان کا بھس اڑا دیا اور ان کی تمام چہل پہل اور رونق کو سنسان اور ویران کر دیا پھر دوسری قوم کو ان کی جگہ آباد کر دیا اور ان کا جانشین بنا دیا۔ اسی طرح ایک کے بعد دوسری اور تیسری قومیں آتی رہیں۔ اے مشرکین مکہ اگر تم بھی اپنے کفر و ظلم اور بغض و عناد سے باز نہ آئے تو کہیں تمہیں بھی اسی طرح ہلاک و برباد نہ کر دیا جائے۔

جب حد سے گزرنے والے ان ظالموں نے ہمارے عذاب کو آتا ہوا دیکھا تو راہِ نجات کے لئے ادھر ادھر بھاگنے لگے، حالانکہ پہلے یہ لوگ انبیاء اور مومنین کا مذاق اڑاتے تھے۔ پھر تمسخر کے طور پر فرشتوں نے ان سے کہا کہ اب بھاگو نہیں بلکہ اپنے محلات اور اپنے عیش و عشرت کے سامانوں میں واپس آجاؤ، جس میں تم مست و مدہوش تھے اور جہاں بیٹھ کر تم اتراتے اور فخر کرتے تھے اور غلاموں، خادموں اور نوکروں چاکروں پر حکم چلاتے تھے۔ شاید وہاں تمہاری خیریت اور حال احوال دریافت کیا جائے یا حسبِ سابق اہم امور و معاملات میں تم سے مشورہ لیا جائے۔

اس وقت یہ لوگ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے اور کہیں گے کہ بیشک ہم ظالم تھے، ہم نے رسول کو جھٹلایا، قتل کیا اور ہر طرح سے ایذا رسانی کی۔ چونکہ انہوں نے عذاب کو دیکھ کر اقرارِ ندامت کیا تھا۔ اس لئے یہ اقرارِ ندامت ان کے لئے فائدہ مند نہ ہوا۔ پھر وہ اسی طرح اپنے گناہوں کا اقرار کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی مانند کر دیا، یعنی ہلاک و برباد کر دیا۔

(مواہب الرحمٰن ۱۱/۸۰، ابن کثیر ۱۷۶/۳)

حق کا باطل پر غالب آنا

۱۶۔۲۰ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ۝ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا لَاتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا ۖ إِنْ كُنَّا فَاعِلِينَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۝ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۝ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝

اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیلنے کے لئے نہیں بنایا۔ اگر ہم یونہی کھیل تماشے کا ارادہ کرتے تو اپنے پاس کی چیزوں کو (کھیل تماشا) بنا لیتے اگر ہمیں یہی کرنا ہوتا۔ بلکہ ہم حق کو باطل پر (پتھر کی طرح) پھینک مارتے ہیں پس حق باطل کا سر توڑ دیتا ہے، پھر وہ باطل اسی وقت مٹ جاتا ہے اور تمہارے لئے ان باتوں کی وجہ سے بڑی خرابی ہے جو تم بناتے ہو۔ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی (خدا) کا تو ہے اور جو اس کے پاس رہتے ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ کاہلی کرتے ہیں۔ وہ رات دن تسبیح کرتے ہیں، وہ کسی وقت سستی نہیں کرتے۔

نَقْذِفُ: ہم پھینک دیں گے۔ قَذْفٌ سے مضارع۔

فَیَدْمَغُهٗ: پس وہ اس کا دماغ توڑتا ہے، پس وہ اس کا بھیجا نکالتا ہے۔

زَاهِقٌ: فنا ہونے والا۔ زُهُوْقٌ سے اسم فاعل۔

تَصِفُوْنَ: تم بیان کرتے ہو، تم بناتے ہو۔ وَصْفٌ سے مضارع۔ یہاں باطل وصف مراد ہے۔

یَسْتَحْسِرُوْنَ: وہ تھکتے ہیں، وہ عاجز ہوتے ہیں۔ اِسْتِحْسَارٌ سے مضارع۔

اور آپ ان سے پوچھئے کہ ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے، کیا ہم نے ان کے لئے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود مقرر کیا تھا۔

فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں خیال کرنا

۲۶-۲۹۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

وہ (مشرک) کہتے ہیں کہ رحمٰن نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھی ہے (اللہ تعالیٰ اس سے) پاک ہے بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں۔ وہ بات کرنے میں سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ وہ ان کے آگے اور پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے اور وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے سوائے اس کے جس سے اللہ راضی ہو اور وہ تو اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور (ان میں سے) جو کوئی یہ کہے کہ اس کے سوا میں عبادت کے لائق ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں گے۔ ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کے حق میں ہوا جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔　　(مظہری ۱۹۳/۶)

تشریح: عرب میں قبیلہ خزاعہ کے لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ ان کے قول کی تردید میں فرمایا کہ مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اولاد ہے۔ وہ ایسی باتوں سے

اثباتِ وحدانیت

۳۰۔۳۳۔ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ښ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین (پہلے) ملے ہوئے تھے پھر ہم نے (اپنی قدرت سے) دونوں کو جدا کر دیا اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا۔ کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے کہ وہ ان کو لے کر جھک نہ جائے اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ وہ راہ پائیں، اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا اور وہ آسمان کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہر ایک آسمان میں تیر تا ہے۔

رَتْقًا : منہ بند، ملا ہوا، باندھنا۔ یہاں بند ہونا سے مراد آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار کا بند ہونا ہے۔

فَفَتَقْنٰهُمَا : پس ہم نے ان دونوں کو جدا کیا۔ پس ہم نے ان دونوں کو پھاڑ دیا، پس ہم نے ان دونوں کو کھول دیا۔ فَتْقٌ سے ماضی۔ یہاں کھول دینے سے مراد آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار کھولنا ہے۔

رواسی: ٹکے ہوئے پہاڑ۔ بوجھ، واحد راسیۃ

تمید: وہ ہلتی ہے، وہ ڈانواڈول ہے۔ وہ جھکتی ہے۔ مَیدٌ سے مضارع۔

فجاجا: دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستے۔ واحد فَجٌّ۔

سقفاً: چھت، مراد آسمان۔ ج سُقوف۔

تشریح: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے منکر ہیں اور اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں کیا وہ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین پہلے آپس میں متصل اور بالکل ملے ہوئے تھے، سو ہم نے ان کو شق کر کے علیحدہ کر دیا اور سات آسمان اور سات زمینیں بنا دیں۔

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کرو اور وہ جو جواب دیں تو مجھے بھی بتانا۔ اس شخص نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس جا کر ان سے اس آیت کے معنی دریافت کئے تو انہوں نے فرمایا کہ زمین اور آسمان سب بند تھے۔ نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے کچھ اگتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو آباد کیا تو اس نے آسمان کی بارش کھول دی یعنی آسمان سے بارش ہونے لگی، جس سے زمین میں نباتات اگنے لگیں، جو پہلے نہ تھیں۔ پھر وہ شخص حضرت ابن عمرؓ کی طرف لوٹ گیا اور ان کو حضرت ابن عباسؓ کے جواب سے مطلع کیا۔ حضرت ابن عمرؓ سن کر کہنے لگے کہ انہوں نے سچ کہا۔ آج مجھے معلوم ہو گیا کہ ابن عباسؓ کو قرآن کے علم سے بہت بڑا حصہ ملا ہے۔

ابو مسلم اصفہانیؒ سے منقول ہے کہ رتق سے مراد حالت عدم یعنی آسمان اور زمین کا نہ ہونا ہے کیونکہ اس وقت تک زمین اور آسمان ایک ہی تھے۔ آپس میں متصل اور ایک دوسرے کے مشابہ تھے۔ اس وقت تک ان میں کوئی چیز ایسی نہ تھی کہ جو انہیں ممتاز کرتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا یعنی انہیں پیدا فرما دیا اور وہ نمایاں اور ممتاز ہو گئے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الشوریٰ آیت ۱۱) اس لئے کہ فطر شق کرنے کو کہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے پانی سے پیدا کیا۔ کیا کافر لوگ ایسے عظیم الشان دلائل دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے

زمین پر پہاڑ بنا دیئے تاکہ زمین مخلوق کو لے کر جھکے اور حرکت نہ کرنے لگے اور ہم نے ان پہاڑوں اور زمین میں ایسے کشادہ راستے بنائے جن پر چل کر لوگ اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہیں اور ہم ہی نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ (الحج آیت ۶۵)

اور اللہ تعالیٰ آسمان کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے مگر اس کے حکم سے۔

چاند، سورج، ستارے اور ان کے مختلف احوال جو آسمان و زمین اور دیگر سیاروں وغیرہ کے بنانے والے کے وجود، وحدت، کمال قدرت اور وسعت حکمت پر دلالت کرتے ہیں، وہ لوگ ان سب کی طرف سے غافل اور روگرداں ہیں اور ان میں غور نہیں کرتے۔ اسی نے رات اور دن کو پیدا کیا تاکہ رات میں سکون و راحت پائیں اور دن میں روزی تلاش کریں۔ اسی نے سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں تیر رہا ہے۔ سورج دن کی علامت ہے اور چاند رات کی نشانی ہے۔ ان میں سے ہر چیز کا وجود اور اس کی ہیئت اور اس کی حرکت و سکون سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

(روح المعانی ۳۲-۳۵/۱۷، مظہری ۱۹۳-۱۹۵/۶، مواہب الرحمٰن ۲۰-۲۳/۱۷)

ہر جاندار کو موت آنا

۳۴-۳۵۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○

اور (اے نبی) آپ سے پہلے بھی ہم نے کسی بشر کو ہمیشگی (ہمیشہ زندہ رہنا) نہیں دی تو پھر کیا اگر آپ مر گئے تو وہ (کافر دنیا میں) ہمیشہ رہیں گے۔ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور ہم تمہیں بری اور بھلی (حالتوں) سے آزمائیں گے اور تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

مضارع۔

فَحَاقَ: پس اس نے گھیر لیا، پس وہ نازل ہو گیا۔ حَیْقٌ و حُیُوْقٌ سے ماضی۔

سَخِرُوْا: انہوں نے مذاق اڑایا، انہوں نے ٹھٹھا کیا۔ سَخَرٌ سے ماضی۔

تشریح: مشرکین اللہ کے عذاب اور قیامت کے بارے میں تمسخر اور انکار کے طور پر نہایت بے خوفی سے کہتے تھے کہ عذاب اور قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو اس کو جلدی سے لے آؤ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ جہالت کی بنا پر عذاب جلد لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر یہ کافر اس ہولناک وقت کو جانتے تو اس کے مانگنے میں کبھی جلدی نہ کرتے۔ اس وقت اللہ کا عذاب ان کو ہر طرف سے گھیر لے گا۔ نہ یہ لوگ اپنے چہروں کو عذاب سے بچا سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھ کی طرف سے آنے والے عذاب کو دفع کر سکیں گے اور نہ اس وقت ان کو کہیں سے کوئی مدد مل سکے گی۔

اللہ کا عذاب ان کافروں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ وہ ان کو بتا کر اور ان کے مطالبے پر نازل نہیں ہوگا بلکہ وہ عذاب کی گھڑی اور قیامت ان پر اچانک آپڑے گی۔ پھر یہ لوگ اس عذاب کو دیکھ کر حیران و مبہوت ہو جائیں گے اور ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ اس وقت نہ یہ اس کو لوٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے استہزا اور تمسخر سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا جاتا رہا یہاں تک کہ ان پر وہی عذاب نازل ہو گیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اطمینان رکھئے جس طرح گزشتہ پیغمبروں کے ساتھ تمسخر کرنے والوں پر اللہ کا عذاب اچانک آیا اسی طرح ان کو بھی عذاب الٰہی اچانک آپکڑے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/ ۲۳۹، ۴۰ / روح المعانی ۱۷/ ۴۹، ۵۰)

باطل معبودوں کی حقیقت

۴۲، ۴۳۔ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ○

(اے نبی!) آپ ان سے پوچھئے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں تمہاری حفاظت کرتا ہے رحمٰن (کے عذاب) سے بلکہ وہ تو اپنے رب کے ذکر سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں۔ کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود بھی ہیں جو ان کو (عذاب مذکور سے) بچائے رکھتے ہیں۔ وہ تو خود اپنی مدد کی بھی استطاعت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی اور ان کا ساتھ دے گا۔

يَكْلَؤُكُمْ: وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ وہ تمہیں بچائے گا۔ كَلَاءَةٌ سے مضارع۔

يُصْحَبُوْنَ: ان کی صحبت اختیار کی جائے گی۔ ان کا ساتھ دیا جائے گا۔ اِصْحَابٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان تمسخر کرنے والوں سے پوچھئے کہ اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں ان پر عذاب نازل کرنا چاہے تو اس عذاب سے ان کو کون بچائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ محض اللہ کی رحمت کی وجہ سے اس کے فوری عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس مہربانی پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتے مگر شکر تو کیا وہ تو اس کی یاد ہی سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور اس کی نعمت و احسان کا اقرار تک نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا بیکار ہے۔ ان کے دل میں تو رحمٰن کا خیال ہی نہیں آتا۔ وہ اس کے عذاب سے کیا ڈریں گے۔

پھر فرمایا کہ کیا ان کے پاس ہمارے سوا ایسے معبود ہیں جو ان کو ہمارے مذکورہ عذاب

سے بچالیں گے۔ حالانکہ جن کو یہ پوجتے ہیں وہ بیچارے ان کو تو ہمارے عذاب سے کیا بچا سکیں گے وہ تو اپنی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔ اگر ان پر کوئی چیز جا پڑے تو وہ اس کو ہٹا بھی نہیں سکتے۔ اور نہ ہمارے مقابلے میں ان کے پاس کوئی ایسا ساتھی ہے جو مصیبت کے وقت ان کا ساتھ دے سکے۔ (مظہری ۱۹۸/۶، مواہب الرحمٰن ۲۹، ۳۱/۱۷)

کفار کی غفلت و غرور

۴۴۔ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○

بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو (دنیا کا) خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر (اسی حالت میں) ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے چلے آرہے ہیں۔ سو کیا وہی لوگ غالب رہیں گے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اپنے انعامات سے جو نوازا اور ان کو طویل عمریں دیں تو اس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے کرتوت پسند ہیں اور وہ ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے۔ ان کے اس خیال کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ تو ان کے اعمال و افعال پسندیدہ ہیں اور نہ اس میں ان کے بتوں کا کوئی عمل دخل ہے بلکہ یہ تو ہماری طرف سے ڈھیل اور مہلت ہے۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمیشہ وہ شتر بے مہار کی طرح آزاد پھریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کی کوئی گرفت نہ ہوگی۔

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے کافروں کی کتنی ہی بستیاں ان کے کفر و شرک کے سبب ملیامیٹ کر دیں اور زمین کفر یعنی دارالحرب کو ہر طرف سے کم کرتے چلے آرہے ہیں اور اسلام کو کفر پر غلبہ دے رہے ہیں۔ کیا وہ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر غالب کر رہا ہے۔ کیا یہ لوگ اب بھی اپنے آپ کو غالب سمجھتے

تھا۔ (ابن کثیر ۱۸۰/۳، مظہری ۱۴۸، ۱۴۹/۶)

کفار کا حق سے بہرہ ہونا

۴۵، ۴۶۔ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۡ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہیں وحی کے ذریعے آگاہ کر رہا ہوں۔ بہرے لوگ بات نہیں سنتے جب ان کو آگاہ کیا جائے۔ اور اگر ان کو آپ کے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی لگ جائے تو پکار اٹھتے ہیں ہائے ہماری کمبختی۔ بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

الصُّمُّ: بہرے، بہرا لوگ۔ واحد اصم۔

نَفْحَةٌ: ایک جھونکا، بھاپ۔ مفعول بہ، مصدر مرۃ، جمع نفحات۔

تشریح: آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں عذاب کی خبر اپنی طرف سے نہیں دیتا۔ مجھ پر جو قرآن نازل ہوا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کی اطلاع دی ہے۔ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ میرا کام تو خبردار کرنا ہے۔ سو میں نے تمہیں عذابِ الٰہی سے خبردار کر دیا ہے۔ اب تم اپنا انجام سوچ لو۔ لیکن یہ کافر حق کی طرف سے ایسے بہرے ہو گئے ہیں کہ اب کچھ نہیں سنتے۔ اس لئے ان کو خبردار کرنا بے سود ہے۔

پورے عذاب میں مبتلا ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔ اگر ان نافرمانوں کو عذابِ الٰہی کی ذرا سی ہوا بھی لگ جائے تو ان کے آنکھ کان سب کھل جائیں گے اور یہ حواس باختہ ہو کر چلانے لگیں گے، موت کو پکاریں گے اور بے ساختہ اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے اور کہنے لگیں گے کہ ہائے ہم ہی ظالم تھے جو اس کمبختی آئی۔ ہم نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

عدل و انصاف کی ترازو

۴۷۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۖ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○

قیامت کے روز ہم انصاف کی میزانیں قائم کریں گے۔ پھر کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو بھی لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے کے لئے۔

وَنَضَعُ: ہم رکھیں گے۔ ہم قائم کریں گے۔ وَضْعٌ سے مضارع۔

اَلْمَوَازِيْنَ: بہت سے ترازو۔ وزن کرنے والے آلات۔ وَزْنٌ سے اسم آلہ، واحد مِيْزَانٌ۔

اَلْقِسْطَ: انصاف، عدل، برابری، اسم ہے۔ جمع اَقْسَاطٌ۔

مِثْقَالَ: برابر۔ ہموزن، بھاری ہونا۔ ثِقْلٌ و ثِقَالَةٌ سے فعل بھی ہے اسم بھی۔

حَبَّةٍ: دانہ۔

خَرْدَلٍ: رائی۔ واحد خَرْدَلَةٌ۔

تشریح: قیامت کے روز ہم عدل و انصاف کی ترازو قائم کریں گے اور عدل و انصاف کے ساتھ لوگوں کے اعمال کا فیصلہ کریں گے۔ جس کی نیکیاں بدیوں پر غالب ہوں گی وہ نجات پا جائے گا اور جس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی اسے ذلیل و خوار کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس روز کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ نہ کسی کا ادنیٰ سا حق تلف ہوگا اور نہ کسی کی برائیوں میں اضافہ ہوگا۔ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا کوئی نیک یا بد عمل ہوگا تو ہم اسے ضرور لا حاضر کریں گے، خواہ وہ عمل کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمان و زمین میں۔ ہم حساب کے لئے کافی ہیں۔ ہمیں کسی ترازو کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمیں ہر چیز کا علم ہے، کوئی چیز

بھی ہم سے چھپی ہوئی نہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۵۰۷، تفسیر مظہری ۶/۱۸۶)

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا واقعہ

۴۸-۵۰۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُم مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ۝ وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ ۚ أَفَأَنتُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ۝

اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ اور ہارون کو (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی اور روشنی دینے والی اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت والی کتاب دی تھی۔ (پرہیزگار وہ لوگ ہیں) جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت کا بھی خوف کرتے ہیں۔ اور یہ ایک برکت والی نصیحت (قرآن) ہے جو ہم نے نازل کی۔ پھر کیا تم اس کے بھی منکر ہو۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو ایک چیز عطا کی جو حق و باطل میں فرق کرنے والی اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والی تھی۔ اس سے مراد توریت ہے جس کی تین صفات بیان کی گئی ہیں۔ اول یہ جو حق و باطل اور حلال و حرام اور ہدایت و گمراہی کے فرق کو واضح کرتی تھی۔ دوسری یہ کہ وہ عظیم الشان روشنی عطا کرنے والی تھی جو حیرت اور جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تیسرے یہ کہ پرہیزگاروں کے لئے یہ کتاب نصیحت کی چیز تھی۔ متقی اور پرہیزگار وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور قیامت کے آنے سے بھی خوف کھاتے ہیں اور اس کی ہولناکیوں سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں۔

پھر فرمایا اس قرآن عظیم کو بھی ہم ہی نے نازل فرمایا ہے۔ جو ایک عظیم برکت والی نصیحت ہے۔ انوار و برکات کے اعتبار سے یہ کتاب تمام کتب سماویہ سے بڑھ کر ہے۔ باطل اس کے قریب بھی نہیں آسکتا۔ سوائے اہل مکہ کیا تم اس قدر وضاحت و حقانیت اور صداقت و نورانیت اور خیر و برکت والے قرآن کا بھی انکار کرتے ہو۔ یہ تو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہیں بنایا اس لئے تمہیں اس کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۳۲/۴ ، مواہب الرحمٰن ۳۵۔۳۶/۱۷)

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ

۵۱۔۵۶۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

اور یقیناً ہم نے (حضرت) ابراہیمؑ کو (ابتدا ہی سے) اس کی نیک راہ عطا فرمائی اور ہم ان کے احوال سے خوب واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن (کی عبادت) پر تم جمے بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ (حضرت ابراہیمؑ نے) فرمایا البتہ تم اور تمہارے باپ دادا یقیناً صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے سامنے حق بات پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کا بتوں کو توڑنا

۵۷۔۶۳۔ وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ○ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ○ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○

اور اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کی ضرور گت بناؤں گا جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ پھر (حضرت) ابراہیمؑ نے بڑے بت کے سوا سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تاکہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں (بتوں کا حال دیکھ کر) وہ کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ (حرکت) کس نے کی۔ بیشک وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ وہ (آپس میں) کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو جسے ابراہیمؑ کہا جاتا ہے ان (بتوں) کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا۔ سب نے کہا کہ اچھا اسے سب کے سامنے لاؤ تاکہ سب دیکھیں۔ وہ کہنے لگے۔ اے ابراہیمؑ کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ (حضرت ابراہیمؑ نے) کہا بلکہ یہ تو ان کے اس بڑے نے کی ہے سو تم ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں۔

جُذٰذًا : ٹکڑے ٹکڑے۔ ریزہ ریزہ۔ جَذٌّ سے مشتق ہے۔ مفعول کے معنی ہیں۔

فَتًى : نوجوان آدمی۔ خادم۔ غلام۔ جمع فِتْيَانٌ۔

يَنْطِقُوْنَ : وہ کہتے ہیں۔ وہ بات کرتے ہیں۔ نُطْقٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ابراہیمؑ نے کہا خدا کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر ان بتوں کے پاس سے کہیں چلے جاؤ گے تو میں تمہارے ان بتوں کی خوب گت بناؤں گا۔

بغوی نے مجاہد اور قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات چپکے سے کہی تھی۔ بعض نے سنی اور بعض نے نہ سنی۔ جنہوں نے سنی انہوں نے بھی اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ پھر جب ان کا سالانہ تہوار آیا تو سب چھوٹے بڑے اور ضعیف و قوی اس میں شرکت کے لئے چلے گئے اور حضرت ابراہیمؑ بت خانے میں پہنچ گئے جہاں تمام بت ایک بڑے کمرے میں قطار میں رکھے ہوئے تھے۔ بت خانے کے دروازے کے سامنے سب سے بڑا بت تھا۔ اس کے برابر میں اس سے چھوٹا پھر اس سے چھوٹا۔ اسی طرح سب قطار میں رکھے ہوئے تھے۔

پس حضرت ابراہیمؑ نے بڑے بت کو چھوڑ کر دوسرے تمام بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بڑے بت کو باقی رکھنے میں یہ حکمت و مصلحت تھی کہ ان کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ شاید اس بڑے بت نے ان چھوٹے بتوں کو توڑا ہو گا کیونکہ اسے غیرت معلوم ہوئی ہو گی کہ اس کے ہوتے ہوئے یہ چھوٹے بت خدائی کے لائق کیسے ہو گئے۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے کلہاڑا بھی اسی کی گردن میں لٹکا دیا۔

جب وہ مشرکین اپنے میلے سے واپس آئے اور بت خانے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بتوں کا حال زار دیکھا اور کہنے لگے کہ یہ کون ظالم شخص تھا جس نے ہمارے معبودوں کی ایسی بات کی۔ جن لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کی قسم والا جملہ سنا تھا وہ کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کی برائی کرتے ہوئے سنا تھا۔ اس کا نام ابراہیمؑ بتایا جاتا ہے۔ یہ اسی کا کام ہے۔

جب یہ بات نمرود اور اس کے ارکان حکومت کو پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ اگر اس نے ایسا کیا ہے تو اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ اس کے قول و فعل کی شہادت دیں۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ بھی آ گئے تو لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ اے ابراہیمؑ کیا تو نے ہی ہمارے معبودوں کا یہ حشر کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا ہے جو صحیح و سالم کھڑا ہے۔ جب اس بڑے کا معبود ہونا ممکن ہے تو کیا یہ ممکن نہیں

کہ یہ کام بھی اسی نے کیا ہو۔ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے تو تم ان چھوٹے بتوں سے پوچھ لو۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو خود ہی بتادیں گے کہ یہ کس کا کام ہے۔ تمہارے اعتقاد کے مطابق جب یہ تمہاری حاجت روائی کر سکتے ہیں تو یقیناً یہ تمہارے سوال کا جواب بھی دے سکتے ہیں۔ (مظہری ۲۰۳، ۲۰۵/ ۶، روح المعانی ۶۱، ۶۵/ ۱۷)

کفار کی شرمندگی

۶۴۔۶۷۔ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۗءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْــــًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

پھر وہ اپنے دل میں سوچنے لگے اور کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی ظالم ہو۔ پھر وہ (ندامت سے) سر جھکا کر کہنے لگے (اے ابراہیمؑ) یقیناً تم خوب جانتے ہو کہ یہ (بت) بولتے نہیں۔ (حضرت ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔

نُكِسُوْا: وہ اوندھے ڈالے گئے۔ ان کے سروں کو جھکا دیا گیا۔ نَكْسٌ سے ماضی مجہول۔

رُءُوْسِهِمْ: ان کے سر۔ واحد رَأْسٌ۔

تشریح: پھر حضرت ابراہیمؑ کی باتوں سے ان کو اپنی غلطی کا احساس پیدا ہوا اور اپنی بے وقوفی پر اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ تم ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے ہو کہ جو بت بول نہیں سکتے اور جو اپنے آپ کو نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ اپنا کوئی دکھ دفع

کر سکتے ہیں، ان کی پوجا کرتے ہو۔ پھر شرم کے مارے انہوں نے اپنے سر جھکا لئے اور پھر غور و فکر کرکے بات بنائی کہ اے ابراہیمؑ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ یہ بت بے زبان ہیں۔ یہ کچھ بولتے نہیں تو ہم ان سے کیا دریافت کریں۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ کیا اس حقیقت کے بعد بھی کہ یہ بت نہ بولتے ہیں نہ کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں، تم ان کی عبادت کرتے ہو۔ تف ہے تم پر اور اس چیز پر جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جو چیز توڑی اور پھوڑی جا سکتی ہے وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے۔ (روح المعانی ۶۶۔۹۸/۱۷، مظہری ۲۰۵۔۲۰۶/۶)

حضرت ابراہیمؑ کو زندہ جلانے کا فیصلہ

۶۸۔۷۰۔ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ○ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ○

وہ (آپس میں) کہنے لگے کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اس (ابراہیمؑ) کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ (جب انہوں نے ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال دیا تو) ہم نے (آگ کو) حکم دیا۔ اے آگ تو (حضرت) ابراہیمؑ کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ اور انہوں نے تو ابراہیمؑ کے ساتھ برا کرنا چاہا تھا مگر ہم نے ان کو ناکام کر دیا۔

حَرِّقُوْهُ: اس کو جلاؤ۔ تَحْرِيْقٌ سے امر۔

بَرْدًا: ٹھنڈا ہونا، مصدر ہے۔

كَيْدًا: خفیہ تدبیر۔ مکر۔ فریب۔

تشریح: مشرکین جب دلیل سے عاجز آ گئے اور ان سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتوں کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو آپس میں کہنے لگے کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جلا دو جو ہونا کے سزا

ہے۔ اپنے معبودوں کی مدد کی صرف یہی ایک صورت ہے ورنہ جب تک یہ زندہ رہے گا ان کی بے حرمتی کرتا رہے گا۔ پھر جب وہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے پر متفق ہو گئے تو انہوں نے ایک ہولناک آگ کا سامان کر کے حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈال دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جائے تاکہ ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

ان کفار و مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ برائی کا معاملہ کرنا چاہا یعنی ان کو آگ میں جلانا چاہا، سو ہم نے ان کو سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والا بنا دیا۔ اس طرح آگ کا ٹھنڈا اور سلامتی والا ہو جانا حضرت ابراہیمؑ کے لئے باعث صد عزت و رفعت ہوا اور کافروں کے لئے باعث صد ذلت و اہانت ہوا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۹۳۸،۹۳۹ / ۴، روح المعانی ۶۸۔۷۰ / ۱۷)

حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ کی ہجرت

۷۱۔۷۳۔ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝

اور ہم ابراہیمؑ اور لوطؑ کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے آئے، جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی۔ اور ہم نے اسے اسحٰقؑ عطا فرمایا اور یعقوبؑ اور زیادہ دیا اور ہم نے سب کو نیک بنایا اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ ہدایت بتاتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ ہماری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

وھبنا : ہم نے بخشا۔ ہم نے دیا۔ وھب، وھبۃ سے ماضی۔

نافلۃً : نفل۔ زیادہ۔ نفلٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت ابراہیم کے آگ سے بچ نکلنے کے بعد ہم نے ان کو اور ان کے بھتیجے لوط کو کافروں سے بچا کر شام کے مقدس خطے میں پہنچا دیا جس میں ہم نے اہل جہان کے لئے برکت رکھی ہے۔ ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ تمام میٹھا پانی صخرہ کے نیچے سے نکلتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ہجرت کے بعد ہم نے حضرت ابراہیم کو ان کی درخواست پر ایک بیٹا اسحٰق عطا کیا اور ایک پوتا یعقوب بطور نفل (زیادہ) دیا یعنی بغیر درخواست کے اور ہم نے ان سب کو یعنی باپ بیٹے اور پوتے کو نیک بخت بنایا اور سب کو پیشوا اور مقتدا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتے تھے۔ ہم نے ان کو نیک کاموں کے کرنے کی اور خاص طور پر نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی۔ یہ سب خالص ہماری عبادت کرنے والے تھے اور ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔

حضرت لوطؑ کا واقعہ

۷۴،۷۵۔ وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ۝ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

اور ہم نے لوط کو حکمت و علم عطا کیا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کاموں میں مبتلا تھے۔ بیشک وہ بری قوم (اور) بدکار تھے اور ہم نے اس (لوط) کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بیشک وہ نیک لوگوں میں سے تھے۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور ان پر

ایمان لائے تھے۔ بہت نیک و صالح اور عابد و زاہد تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اتباع میں انہوں نے بھی حضرت ابراہیم کے ساتھ ہجرت کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بستی سے نجات دی جہاں کے باشندے نہایت خبیث اور گندے کام کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و حکمت عطا فرمائی اور ان کی طرف وحی نازل فرمائی اور ان کو نبیوں کے زمرے میں داخل فرما کر سدوم اور آس پاس کی بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ اہل بستی ان کی بات ماننے کی بجائے الٹا ان کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے، جس کے نتیجے میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور فنا کر دیئے گئے۔ ان کی بربادی کے واقعات قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو ان بدذاتوں کی بستی سے نکال کر اپنی رحمت میں داخل کر لیا کیونکہ بلاشبہ وہ نیک بختوں اور صالح لوگوں میں سے تھے۔

حضرت نوحؑ کا واقعہ

۷۶۔۷۷۔ وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ○ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ○

اور نوحؑ (کا واقعہ یاد کرو) جب اس نے اس سے پہلے دعا کی سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس کو اور اس کے گھر والوں کو بڑی سخت مصیبت (طوفان) سے نجات دی۔ اور ہم نے ان لوگوں کے مقابلے میں (حضرت) نوحؑ کی مدد کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے۔ یقیناً وہ برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ دین کرتے رہے۔ اس طویل عرصے میں سوائے چند لوگوں کے جو ایمان لے آئے تھے باقی تمام لوگ نہ صرف اپنے کفر و شرک پر قائم رہے بلکہ وہ حضرت نوحؑ کو ہر قسم کی تکلیفیں اور ایذائیں دیتے رہے اور

دوسرے ان کو بھی آپ کی ایذا رسانی پر اکساتے رہے یہاں تک کہ جب حضرت نوحؑ ان سے بھی اور ان کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی کہ اب ان کافروں میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھ ورنہ یہ تیرے بندوں کو بہکاتے رہیں گے۔

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ○ (سورۃ قمر آیت ۱۰)

تب حضرت نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے پروردگار میں مغلوب اور عاجز ہوں سو تو میرا بدلہ لے لے۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ○ (سورۃ نوح آیت ۲۶)

اے میرے رب تو روئے زمین پر بسنے والے کافروں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑ۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی دعا قبول فرمائی اور ان لوگوں کو جو ان کی اتباع کرتے تھے اور ان کے ساتھ ان کی کشتی میں سوار تھے، ان کو طوفان کی بڑی مصیبت سے نجات دی اور قوم کے ان لوگوں کے مقابلے میں جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے، ان کی مدد فرمائی۔ یہ منکرین و مکذبین بہت ہی برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور روئے زمین پر ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا۔ (عثمانی ۴۳۷/۱۸، ابن کثیر ۱۸۵/۳، ۱۸۶)

حضرت داؤدؑ کا واقعہ

۷۸۔۷۹۔ وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ○ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ○

اور داؤد اور سلیمان کو بھی یاد کیجئے، جبکہ وہ دونوں کھیت کے معاملے میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ کچھ لوگوں کی بکریاں اس (کھیت) کو رات میں چر

گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ہر ایک کو حکمت اور علم دے رکھا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا جو تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کیا) اور (یہ سب کچھ) ہم ہی کیا کرتے تھے۔

اَلْحَرْثِ : کھیتی۔

اِذْ نَفَشَتْ : انہوں نے روند دیا۔ انہوں نے چر لیا۔ نَفْشٌ سے ماضی۔

غَنَمُ : بکریاں۔ اسم جنس۔

تشریح: حضرت داؤد علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ نہایت عادل اور منصف تھے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قتادہ اور زہری نے بیان کیا کہ دو آدمی حضرت داؤد کے پاس ایک مقدمہ لائے۔ ان میں سے ایک تو کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس فیصلے کے وقت ہم موجود تھے۔ ہمارے روبرو یہ فیصلہ ہوا۔ کھیت والے نے کہا کہ اس کی بکریاں رات کو میرا تمام کھیت چر گئیں اور کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ حضرت داؤد نے اندازہ لگایا کہ تمام بکریوں کی کل قیمت کھیت کی قیمت کے برابر ہے اس لئے آپ نے حکم دیا کہ تمام بکریاں کھیت کے مالک کو دیدی جائیں۔

حضرت داؤد کے پاس سے دونوں حضرت سلیمانؑ کے پاس آئے۔ حضرت سلیمانؑ نے پوچھا کہ تم دونوں کے مقدمے کا کیا فیصلہ ہوا۔ انہوں نے حضرت داؤد کا فیصلہ بیان کر دیا۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اگر تمہارا مقدمہ میرے پاس ہوتا تو میں دوسرا فیصلہ کرتا۔ جب حضرت داؤد کو حضرت سلیمانؑ کی بات کا پتہ چلا تو انہوں نے حضرت سلیمانؑ کو بلوا کر کہا کہ تم فیصلہ کرو۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ بکریاں کھیت والے کو دیدو اور کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیا جائے۔ کھیت والا بکریوں کے دودھ، اون اور ان کے بچوں سے اس وقت تک فائدہ اٹھاتا رہے جب تک کھیت بکریوں والے کے پاس رہے۔ بکریوں کا مالک کھیت کو درست کر کے اس میں بیج ڈالدے اور جب کھیتی تیار ہو کر اصلی حالت پر آجائے تو تیار کھیت، کھیت والے کو لوٹا دیا جائے اور بکریوں والا اپنی بکریاں واپس لے لے۔ حضرت داؤد نے اس فیصلے کو بہت پسند کیا

اور اسی کو جاری کر دیا۔ اس وقت حضرت سلیمانؑ کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے فیصلے کا یہ طریقہ حضرت سلیمان کو سمجھا دیا جو فریقین کے حق میں مفید ہو گیا اور ہم نے باپ اور بیٹے دونوں کو علم و حکمت عطا کیا تھا۔ ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کیا۔ دونوں فیصلے حق تھے اور دونوں کا مقصد نقصان کی تلافی تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ ظاہری قیاس کے مطابق تھا کہ رات کے وقت بکریوں کو بند رکھنا اور ان کی نگرانی کرنا بکریوں کے مالک کی ذمے داری تھی مگر چونکہ اس نے بکریوں کی نگہداشت میں کوتاہی کی جس کے نتیجے میں دوسرے کا کھیت برباد ہوا اس لئے حضرت داؤدؑ نے کھیت والے کو بکریوں کا مالک بنا دیا کیونکہ ان کے نزدیک کھیت کا نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی۔ فقہا کی اصطلاح میں ایسے فیصلے کو قیاس جلی کہتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے جو فیصلہ فرمایا اس میں ہر ایک کی ملکیت کو اسی طرح برقرار رکھا اور کھیتی کے نقصان کی تلافی بکریوں کے نفع سے کر دی۔ ایسے قیاس کو فقہا کی اصطلاح میں استحسان کہتے ہیں۔ دونوں فیصلے حق تھے مگر حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے علم و حکمت کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا کہ جب وہ خوش آوازی سے زبور پڑھتے تو ان کے ساتھ شجر و حجر اور پہاڑ و پرند سب آواز کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے تھے۔ حضرت داؤدؑ نہایت خوش آواز تھے اور یہ خوش آوازی ان کا معجزہ تھا۔ پھر فرمایا کہ علم و حکمت کا عطا ہونا اور پرندوں اور پہاڑوں کی تسخیر یہ سب ہمارا کام ہے، ہم ہی اس کے فاعل ہیں اس لئے ہماری قدرت کے اعتبار سے یہ کوئی عجیب چیز نہیں۔ (روح المعانی ۳ ۷۔ ۶ ۷/ ۱۷، مظہری ۲۱۱۔ ۲۱۵/ ۶)

حضرت داؤدؑ کا زرہیں بنانا

۸۰۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝

اور ہم نے ان کو تمہارے لئے لباس (زرہ) بنانے کی صنعت سکھائی تاکہ تمہاری لڑائی میں تمہیں بچائے۔ (محفوظ رکھے) سو کیا تم (اس نعمت کا) شکر کرتے ہو۔

لِتُحْصِنَكُمْ: تاکہ وہ تم کو بچالے، تاکہ وہ تم کو محفوظ رکھے۔ اِحْصَانٌ سے مضارع۔
بَأْسِكُمْ: تمہاری لڑائی۔ تمہاری سختی۔

تشریح: ہم نے تمہارے فائدے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک خاص قسم کا لباس یعنی زرہ بنانا سکھایا تاکہ وہ لباس جنگ اور دشمن کے مقابلے کے وقت تمہارا بچاؤ اور حفاظت کر سکے اور اس کو پہن کر تم دشمن کے وار سے محفوظ ہو جاؤ۔ کنڈے دار اور حلقوں والی زرہیں سب سے پہلے حضرت داؤدؑ ہی نے بنائیں۔ ان سے پہلے کنڈوں اور حلقوں کے بغیر زرہ بنتی تھی۔

قتادہؒ نے کہا کہ حضرت داؤدؑ سے پہلے زرہ سپاٹ ہوتی تھی۔ سب سے پہلے آپ ہی نے جال دار زرہ بنائی اور کڑیاں جوڑ کر جھول کی شکل دی۔

اللہ تعالیٰ نے لوہے کو حضرت داؤدؑ کے لئے نرم کر دیا تھا۔ آگ میں گرم کئے بغیر ہی، لوہا ان کے ہاتھوں میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور وہ اس سے بہت آسانی سے زرہ بنایا کرتے تھے۔ یہ بھی ان کا معجزہ تھا۔ پس یہ ایسی نعمت تھی جس پر لوگوں کو اللہ کی شکر گزاری کرنی چاہئے۔ (روح المعانی ۹/۷۷، ۱۷/۷۷)

حضرت سلیمانؑ کا واقعہ

۸۱۔۸۲۔ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَىْءٍ عٰلِمِيْنَ ○ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ○

اور ہم نے تیز و تند ہوا کو سلیمانؑ کے تابع کر دیا جو اس کے حکم سے اس

چاہتے آزاد کر دیتے۔

بغوی نے بیان کیا کہ جب حضرت سلیمان کسی جن کو کسی آدمی کے ساتھ کسی کام پر بھیجتے تو آدمی سے فرما دیتے کہ جب یہ اس کام سے فارغ ہو جائے تو اس کو کسی اور کام پر لگا دینا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کئے ہوئے کام کو برباد کر دے۔ جنات کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی کام سے فارغ ہو جاتے اور دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے تو بنے ہوئے کام ہی کو تباہ کر دیتے۔

(ابن کثیر ۱۸۸۔۱۸۹/۳، مظہری ۲۱۶۔۲۱۸/۶)

حضرت ایوبؑ کا واقعہ

۸۳۔۸۴۔ وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ○

اور (یاد کرو) ایوبؑ کو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ تحقیق مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی۔ پھر جو کچھ تکلیف ان کو تھی وہ دور کر دی اور ہم نے ان کو ان کے اہل و عیال عطا فرمائے اور ان کے ساتھ ویسے ہی اپنی خاص رحمت کے طور پر ان کو (مزید اہل و عیال) دیئے تاکہ عابدوں کے لئے نصیحت کا سبب ہو۔

تشریح: ان آیتوں میں حضرت ایوبؑ کی تکلیفوں کا بیان ہے جو طرح طرح کے مصائب سے آزمائے گئے۔ انہوں نے تمام مصائب پر بے مثال صبر کیا۔

حضرت ایوب بڑے خوشحال پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کے جانور، کھیتیاں، باغات، مال، دولت، اولاد، بیویاں، رہنے کے مکان، غرض سب کچھ دے رکھا تھا۔ اس قدر خوشحالی اور آسائش میں وہ اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش

تشریح: حضرت اسمٰعیل اور حضرت ادریس کا ذکر سورۂ مریم میں گزر چکا۔ حضرت ذوالکفل بظاہر تو نبی ہی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کا نام نبیوں کے ساتھ آیا ہے اکثر محققین کے نزدیک وہ نبی تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نبی نہ تھے بلکہ ایک نیک، صالح شخص اور اپنے زمانے کے بہت عادل بادشاہ تھے۔

صبر و تحمل کے اعتبار سے یہ تینوں حضرات اپنے اپنے زمانے میں بے مثال تھے۔ تینوں نے بڑی بڑی تکلیفوں اور آزمائشوں پر صبر کیا۔ حضرت ذوالکفل کو ذوالکفل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوم میں عدل و انصاف کے کفیل تھے۔ دن میں روزہ رکھتے تھے اور رات میں تہجد کے کفیل تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے فقیروں اور مسکینوں کی پرورش کی کفالت اپنے ذمہ لی تھی۔ واللہ اعلم! (مواہب الرحمٰن ۸۹۔ ۹۳/۱۷)

حضرت یونسؑ کا واقعہ

۸۷۔۸۸۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

اور مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کو (بھی یاد کرو) جبکہ وہ (قوم کی حرکتوں پر) غصے ہو کر (اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر) چل دیئے اور انہوں نے سمجھا کہ ہم ان پر قابو نہ پا سکیں گے آخر وہ اندھیروں میں سے پکار اٹھے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو غم سے نجات دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیتے ہیں۔

مُغَاضِبًا: خفا ہونے والا۔ غصہ کرنے والا۔ مُغَاضَبَۃٌ سے اسم فاعل۔

مچھلی نے سمندر کے کنارے پر آکر ان کو اگل دیا اور اللہ کی امانت صحیح و سالم واپس کر دی۔ پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے حضرت یونسؑ کو اس غم سے نجات دی اسی طرح ہم ایمان والوں کو غم سے نجات دیتے ہیں بشرطیکہ وہ اخلاص کے ساتھ ہم کو پکاریں۔

(عثمانی ۱۲۱۔ ۱۲۲/ ۲، مظہری ۲۳۔ ۲۳۳/ ۹)

حضرت زکریا کا واقعہ

۸۹۔ ۹۰۔ وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ؗ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝

اور زکریا کو (بھی یاد کرو) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔ پھر ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو یحییٰ عطا فرمایا اور ان کے لئے ان کی بیوی کو درست (اولاد کے قابل) کر دیا۔ بیشک یہ لوگ نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور ہمیں امید و خوف کے ساتھ پکارا کرتے تھے اور ہم ہی سے ڈرتے رہتے تھے۔

تَذَرْ: تو چھوڑ۔ وَذْرٌ سے مضارع۔

رَغَبًا: رغبت۔ خواہش۔ توقع، مصدر ہے۔

رَهَبًا: ڈر۔ خوف۔ مصدر ہے۔

تشریح: حضرت زکریا بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی بھی بانجھ تھیں اس لئے بڑھاپے تک ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، حضرت زکریا کو اپنے رشتہ داروں کی طرف سے دین میں تحریف کر دینے کا اندیشہ تھا اس لئے ایک روز انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و زاری

کے ساتھ دعا کی کہ تو اپنے خاص کرم اور مہربانی سے مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو میرے بعد قوم کی خدمت کر سکے اور میری تعلیم کو پھیلا سکے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا کر ان کو حضرت یحییٰ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ یہ تمام انبیا جن کا اوپر ذکر ہوا سب نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے۔ وہ اپنا وقت برباد نہیں کرتے تھے۔ جب کوئی مصیبت آتی یا کوئی حاجت و خواہش ہوتی تو رغبت و خوف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور وہ اللہ ہی سے ڈرتے رہتے تھے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۰۱، ۱۰۲ / ۱۷)

حضرت مریمؑ کا واقعہ

۹۱۔ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

اور اس عورت (مریم) کو بھی یاد کرو جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ پھر اس عورت میں ہم نے اپنی روح پھونک دی۔ اور اس کو اور اس کے بیٹے (حضرت عیسیٰ) کو جہان والوں کے لئے نشان قدرت بنا دیا

تشریح: حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ کے واقعات میں نہایت درجہ مناسبت ہے۔ حضرت زکریا کے واقعے میں بوڑھے مرد اور بوڑھی اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونے کا ذکر ہے، جبکہ حضرت مریمؑ کے واقعے میں کنواری لڑکی سے شوہر کے بغیر لڑکا پیدا ہونے کا ذکر ہے جو پہلے واقعے سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اس عورت یعنی حضرت مریم کے واقعے کو یاد کرو جس نے اپنی شرمگاہ کو حلال و حرام دونوں سے محفوظ رکھا، سو جبرائیل نے ہمارے حکم سے حضرت مریمؑ کے گریبان کے اندر ہماری ایک خاص پھونک ماری جو حضرت مریمؑ کے جسم کے اندر پہنچ گئی جس سے وہ بغیر شوہر کے حاملہ ہو گئیں اور ان سے ایک برگزیدہ نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ہم نے حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے کے

واقعے کو دنیا والوں کے لئے اپنی قدرت کاملہ کی ایک نشانی بنا دیا۔ اس سے سمجھ بوجھ رکھنے والوں کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے صرف عورت کے بطن سے لڑکا پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۹۶/ ۴، مظہری ۲۳۵/ ۶)

توحیدِ خداوندی پر انبیاؑ کا اجماع

۹۲۔۹۴۔ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝

بیشک تم سب کا دین (دینِ اسلام) ایک ہی دین ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں، سو تم میری ہی عبادت کرو اور لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کر لیا۔ سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔ پھر جو کوئی اچھے کام کرے گا اور وہ مومن بھی ہو گا تو اس کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔

تشریح: بیشک اصول کے اعتبار سے تمام انبیا علیہم السلام کا دین ایک ہے اور ان سب کی ایک ہی ملت ہے۔ سب توحید پر متفق ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس لئے تم بھی اسی ملت کو اختیار کرو اور اسی پر قائم رہو اور توحید کے بارے میں اختلاف نہ کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۔ (آل عمران، آیت ۸۵)
اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

يَنْسِلُوْنَ : وہ نکل پڑیں گے۔ وہ دوڑ پڑیں گے۔ نَسْلٌ سے مضارع۔

شَاخِصَةٌ : پھٹی کی پھٹی رہ جانے والی (آنکھیں)۔ کھلی کی کھلی رہ جانے والی۔ شُخُوْصٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: کافروں کا یہ خیال کہ وہ مر کر خاک میں مل جائیں گے اور نیست و نابود ہو جائیں گے بالکل غلط ہے۔ جس بستی والوں کو ہم نے عذاب یا موت کے ذریعے ہلاک کر دیا تو یقیناً وہ دوبارہ زندہ ہو کر ہماری طرف ضرور لوٹیں گے۔ اس روز قیامت قائم ہوگی اور ان کا حساب و کتاب ہوگا۔ بعض مفسرین یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ ہلاک ہو چکے ان کا اپنے اعمال کی درستی کے لئے دنیا میں دوبارہ واپس آنا ناممکن اور محال ہے۔ ایک دفعہ جب وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تو دوبارہ واپس آکر ایمان لانا اور عمل صالح کرنا تاکہ ان کے پہلے دور کی برائیوں کا کفارہ ہو سکے۔ محال ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ ہلاک ہونے والے اپنی ہلاکت و بربادی اور کفر و شرک کی حالت پر اسی طرح قائم رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہو جائیں اور یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں، جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ اس وقت وہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار کے پیچھے محصور ہیں۔ اور اللہ کی مخلوق ان کے فتنے سے محفوظ ہے۔ قیامت کے قریب اس دیوار کو توڑ کر یہ مفسد قوم وہاں سے ٹڈی دل کی طرح نکل پڑے گی اور ہر طرف پھیل جائے گی۔ یہ لوگ شہروں کو روند ڈالیں گے اور جہاں سے گزریں گے اس کو تباہ کر دیں گے، کوئی طاقت ان کو روک نہ سکے گی۔ اس وقت قیامت کا سچا وعدہ قریب آ پہنچے گا۔ پھر خوف و دہشت کی وجہ سے کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ وہ دہشت کے مارے پلک بھی نہ جھپک سکیں گے۔ اور حسرت سے کہیں گے ہائے ہماری تباہی و بربادی ہم دنیا میں اس دن کے بارے میں غفلت میں پڑے رہے اور ہم خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔ کاش دنیا میں ہم اس آفت سے بچنے کی فکر کرتے کیونکہ رسولوں نے تو ہمیں آگاہ کر دیا تھا مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی۔

(مظہری ۶/۱۳۴، مواہب الرحمٰن ۱۰۲، ۱۷/۱۰۳)

جہنم کا ایندھن

۹۸-۱۰۰۔　إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ○ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ○ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ○

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) بلاشبہ تم اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے، سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ تم سب دوزخ میں جانے والے ہو۔ اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ سب کے سب ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ وہاں (جہنم) میں چیخ و پکار کریں گے اور (اپنے شور و غل میں) وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔

حصب　　پتھر، ایندھن۔

زفیر　　چیخ و پکار کرنا، چلانا۔ مصدر ہے۔

تشریح:　اے مشرکین مکہ! بلاشبہ تم اور تمہارے یہ بے جان و بے عقل بت جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔　　　(سورۂ بقرہ آیت ۲۴)

اور اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

تم سب کو اپنے معبودوں سمیت جہنم میں اتار دیا جائے گا۔ بتوں کا جہنم میں ڈالا جانا ان کو عذاب دینے کے لئے نہیں بلکہ مشرکوں پر حجت قائم کرنے کے لئے ہوگا کہ یہ بت کس قدر عاجز ہیں کہ تمہاری حفاظت تو کیا کرتے یہ تو خود اپنے آپ کو بھی جہنم سے نہیں بچا سکے۔

اگر یہ بت اور بے جان مورتیں سچے معبود ہوتے تو آگ میں کیوں جلتے۔ حقیقت یہ

ہے کہ عابد (مشرک) اور معبود (بت) دونوں ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ جہنم میں مشرکوں کا یہ حال ہو گا کہ وہ شدت ہول اور عذاب کی سختی سے وہاں خوب چیخیں چلائیں گے۔ اور اپنے چلانے اور شور کے سوا کچھ نہ سنیں گے۔ (مظہری ۱۴۴/ ۶، ابن کثیر ۱۹۸،۱۹۷/ ۳)

مومنوں کا حال

۱۰۱-۱۰۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

بیشک ہماری طرف سے جن کے لئے بھلائی مقدر ہو چکی ہو گی وہی لوگ اس سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور وہ اپنی من پسند چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ بڑی گھبراہٹ بھی انہیں رنجیدہ نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور کہیں گے) یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

مُبْعَدُوْنَ: دور کئے ہوئے۔ اِبْعَادٌ سے اسم مفعول۔

حَسِیْسَهَا: اس کی آہٹ، اس کا کھٹکا۔

فَزَعٌ: گھبراہٹ۔ خوف۔ ڈر۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا کہ اللہ کے سوا، عیسیٰ، عزیر اور فرشتوں کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ کیا یہ بھی جہنمی قرار پائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۳۹/ ۶)

تشریح: بلاشبہ جو لوگ ایماندار تھے اور انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کئے تھے ان کو آخرت میں ثواب اور نیک بدلہ ملے گا۔ وہ عذاب سے محفوظ اور اللہ کی رحمت سے سرفراز ہوں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جہنم سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ وہ جہنم میں کافروں کے چیخنے اور چلانے کی آواز بھی نہ سنیں گے اور وہ اپنی مرغوب اور پسندیدہ چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان لوگوں کو نہ موت کی گھبراہٹ ہوگی۔ نہ نفخِ صور کی، نہ اس وقت کی گھبراہٹ جب جہنم پر ڈھکن لگا دیا جائے گا اور نہ ان کو اس وقت کسی قسم کا اندیشہ ہوگا جب موت کو دوزخ اور جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور ہر طرح سے مسرور و خوش ہوں گے۔ جب وہ قبروں سے نکل کر جنت کی طرف جائیں گے تو جنت کے دروازوں پر فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ جس دائمی مسرت و راحت کا وعدہ آپ سے کیا گیا تھا یہ اس کے پورا ہونے کا وقت ہے۔

(ابن کثیر ۳/۱۹۸، ۱۹۹۔ مظہری ۶/۲۹۰-۲۹۲)

آسمانوں کا لپیٹا جانا

۱۰۴۔ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۗ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۗ وَعْدًا عَلَيْنَا ۗ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○

جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے۔ بیشک ہم اس کو ضرور پورا کریں گے۔

نَطْوِي: ہم تہ کریں گے۔ ہم لپیٹ دیں گے۔ طَيٌّ سے مضارع۔

السِّجِلِّ: کاغذ کا طومار۔ صحیفہ۔ نوشتہ۔ جمع سجلات۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں قیامت کے روز آسمانوں کے فنا ہو جانے کا ذکر فرمایا ہے کہ قیامت کے روز نفخۃ اولیٰ کے وقت ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اس سے تم ہماری قدرت و عظمت کا اندازہ کر سکتے ہو۔

ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کو ان کے اندر کی مخلوقات کے ساتھ اور ساتوں زمینوں کو ان کی تمام مخلوقات کے ساتھ اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ایک رائی کے دانے کی مثل ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بلا کسی اصل اور مادے کے پہلی بار مخلوق کو پیدا کیا تھا اسی طرح ہم دوبارہ نئے سرے سے اس کو پیدا کر دیں گے۔ جو خدا پہلی بار پیدا کرنے پر قادر تھا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر اس سے بھی زیادہ قادر ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اس کے وعدے اٹل ہوتے ہیں اور یقیناً پورے ہو کر رہتے ہیں۔ اس کے خلاف ہونا محال ہے۔

(ابن کثیر ۱۹۹، ۲۰۰/ ۳)

مومنوں سے اللہ کا وعدہ

۱۰۵۔۱۰۷۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ ۝ إِنَّ فِي هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِينَ ۝ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ ۝

اور ہم نصیحت کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ بیشک زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔ بیشک اس (قرآن) میں عبادت کرنے والوں کے لئے (ہدایت کا) کافی مضمون ہے۔ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تشریح: لوح محفوظ کے بعد ہم نے تمام آسمانی کتابوں میں لکھ دیا ہے کہ کامل اطاعت گزار بندوں کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور دنیاوی زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنایا جائے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۲۸)

بلاشبہ زمین اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ بیشک اس قرآن میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے، جنت میں داخل ہونے کا پورا سامان ہے۔ جس طرح مسافر کے لئے زادِ راہ منزل تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح پورا قرآن ان مومنوں کے لئے جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، جنت کا توشہ ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں جو مخلوق کے لئے نعمت عظمیٰ ہے۔ پس اس نعمت کی شکر گزاری کرنے والا دنیا و آخرت میں شادمان ہے اور ناقدری کرنے والا دونوں جہان میں ذلیل و رسوا ہے، اگر کوئی بدبخت اس رحمت عامہ سے خود ہی نفع نہ اٹھائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ آفتاب عالم سے روشنی اور حرارت کا فیض ہر طرح پہنچتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی۔ رحمۃ للعلمین کا حلقۂ فیض تو اس قدر وسیع ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے مستفید نہ ہونا چاہے تب بھی اس کو کسی نہ کسی شکل میں بلا اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں علوم نبوت کی عام اشاعت سے ہر مسلمان و کافر اپنے ذوق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقع پر صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ آپ ﷺ ان کافروں کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں تو صرف رحمت و ہدایت ہوں۔

ابن جریر میں حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ مومنوں کے لئے تو آپ ﷺ دنیا و آخرت میں رحمت تھے۔ اور غیر مومنوں کے لئے آپ ﷺ دنیا میں رحمت تھے کہ وہ زمین میں دھنسائے جانے سے اور آسمان سے پتھر برسائے جانے سے بچ

گئے جیسا کہ اگلی امتوں کے منکروں پر یہ عذاب آئے۔ (حقانی ۱۳۶/ ۲، ابن کثیر ۲۰۱، ۲۰۲/ ۳)

دعوت توحید

۱۰۸۔۱۱۲۔ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ○ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ○ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○

آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو یہی وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود تو صرف خدائے واحد ہے تو کیا تم بھی اس کو تسلیم کرنے والے ہو پھر اگر یہ نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دیجئے کہ میں تو تمہیں صاف صاف اطلاع دے چکا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ جو تم سے وعدہ ہوا ہے وہ دور ہے یا قریب۔ البتہ اللہ تعالیٰ پکار کر کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے اور مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے (اس مہلت میں) تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک فائدہ اٹھانا ہو۔ (آخر) نبی نے کہہ دیا اے رب (مجھ میں اور ان کافروں میں) انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں پر مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

حِيْنٍ: وقت۔ زمانہ۔ مدت۔ جمع اَحْيَانٌ

مُسْتَعَانٌ: وہ جس سے مدد طلب کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا اسم صفت۔ اِسْتِعَانَۃٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین و منکرین سے کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو یہی وحی آئی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے۔ سو تم بھی اسی کو تسلیم کرو اور اسی کا حکم مانو۔ اگر یہ لوگ پھر بھی اسلام سے روگردانی کریں اور توحید کا انکار کریں تو آپ ان کو صاف صاف بتا دیجئے کہ میں نے تو تم سب کو وہ وحی برابر اطلاع پہنچا دی جو مجھ کو ملی تھی اور میں نہیں جانتا کہ جس چیز (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب کے زمانے میں پورا ہوگا یا بعید کے زمانے میں لیکن یقین جانو کہ وہ پورا ضرور ہو کر رہے گا۔

بیشک ظاہر و باطن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ جو کچھ تم علانیہ طور پر اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بھی خوب واقف ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ بغض و عناد تم اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ تمہارے ظاہر و باطن سے واقف ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس تاخیر کی وجہ مجھے معلوم نہیں۔ ممکن ہے عذاب میں یہ تاخیر تمہارے لئے ڈھیل و مہلت ہو کہ تم حریص بنے رہو اور آزمائش میں پھنس جاؤ یا اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر تم نصیحت پکڑ لو اور ایمان لے آؤ۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے اور میرے جھٹلانے والوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دے یعنی حق کو باطل پر اور صادق کو کاذب پر فتح اور غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بدر کے دن کافروں کی کمر توڑ دی اور مسلمانوں کو فتح عظیم سے سرفراز و سربلند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے ہم اسی سے فیصلہ چاہتے ہیں اور کافروں کی خرافات کے مقابلے میں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔

(مظہری ۲۲۳، ۲۲۴/ ۶، عثمانی ۱۲/۲)